

تفہیم الکلام

فی کیفیۃ القراءۃ خلف الامام

مسئلہ سکتات، انصات واستماع سمیت دیگر مسائل
پر کئے گئے اعتراضات کا مکمل و محققانہ ازالہ

تالیف

شاہد علی

جماعت المسلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوقِ طبع بحق جماعت المسلمین محفوظ ہیں

کتاب .... تفہیم الکلام فی تصحیح تحریم خلف الامام

تالیف .... شاہد علی

اشاعت.............................. اکتوبر 2011

تعداد................................ 1000

جملہ حقوقِ طبع بحق جماعت المسلمین رجسٹرڈ محفوظ ہیں

رجسٹریشن نمبر (۱۹۸۵/۰۳۶۶)

مرکز جماعت المسلمین گیلان آباد، کھوکھراپار سیکٹر ۲ کراچی۔

فون: 34513806-34407524 فیکس: 34507305

دفتر جماعت المسلمین B-6 بیت الفرقان، SB-12، بلاک C-13، گلشن اقبال،

مین یونیورسٹی روڈ، کراچی۔ فون: 2-34815560 فیکس: 34815563

www.aljamaat.org

www.jamaatulmuslimeen.info

E-mail: info@aljamaat.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



Read online Books and Pamphlets of Jamaat-ul-Muslimeen here at:

http://jamaatulmuslimeen.info/readonline/

www.jamaatulmuslimeen.info/urdu/

Copyright Jamaat-ul-Muslimeen © All Rights Reserved

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

پیش لفظ ۱
تفہیم الکلام ۳
اعتراض و ازالہ ۶
البانی صاحب کا فتویٰ ۸
اعتراض و ازالہ ۱۰
سکتات میں قراءت فاتحہ کے دلائل ۱۱
امام احمدؒ اور امام بخاریؒ کا موقف ۱۳
اصل مسئلہ زیر بحث ۱۴
صحابہؓ کی شان میں گستاخی ۱۵
فیصلہ کن جواب ۱۶
فاستمعوا لہ وانصتوا ۱۹
مسئلہ سکتات تاریخ کی روشنی میں ۲۱
جزء القراءت اور کتاب القراءت کا مقصد تصنیف ۲۶
استماع و انصاف کا صحیح مفہوم ۲۸
استماع و انصات پر فیصلہ کن دلیل ۳۰

دعائے استفتاح یا سکتہ؟ ۳۴

کیا مسعود احمد صاحبؒ مسئلہ سکتات میں منفرد ہیں؟ ۳۸

عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کی سند........ ۴۳

بزرگانِ اہل حدیث کے خلاف صدیق رضا صاحب کے فتوے ۴۶

ابو الصلت کی روایت ۴۸

ابو الصلت کی توثیق............................ ۵۰

شواہد میں مجروح روایات کو نقل کرنا ۵۲

کچھ امام ترمذیؒ کے متعلق............................ ۵۵

المثنی بن الصباح اور ابن لہیعہ کی روایت............ ۵۶

محمد جونا گڑھی صاحب اور مسئلہ سکتات ۵۷

قولی و فعلی حدیث کی بحث............................ ۶۲

حدیث اذا قرء فانصتوا اور البانی صاحب........... ۶۴

اعتراض برائے اعتراض............................ ۶۵

تناقضات اہل حدیث ۶۷

رسالہ الحدیث کی غلط بیانیاں ۷۰

خوارج، تکفیری و مقلدین؟............................ ۷۱

اہل حدیث علماء کی کتب کی حیثیت.................... ۷۴

نماز نبوی پر اعتراضات............................ ۷۶

الفاظ حدیث میں اضافہ ۸۱
الفاظ حدیث میں تحریف ۸۲
اعتراض و ازالہ ۸۴
تناقضات البانی ۸۶
مسئلہ سکتات اور البانی صاحب کا رجوع ۸۷
حضرت ابو ہریرہؓ اور مسئلہ سکتات ۸۸
تمام سلف صالحین سکتات میں قراءت فاتحہ کے قائل تھے . ۹۰
مسئلہ سکتات اور علماء کی گواہی ۹۲
علمائے احناف اور قراءت خلف الامام ۹۴
اہل حدیث حضرات کی دلیل واحد ۹۷
نکتہ کی بات ۹۹
دوسرا سکتہ کب کیا جائے؟ ۱۰۰
سکتتین کی حدیث کا شجرہ اسناد ۱۰۲
حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور مسئلہ سکتات ۱۰۶
حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور فاتحہ خلف الامام ۱۱۰
تحقیق صلوٰۃ پر کیے گئے اعتراضات کا ازالہ ۱۱۱
حضرت عروہ بن زبیرؒ اور مسئلہ سکتات ۱۱۴
عطاء ابن ابی رباح، مسئلہ سکتات اور الزام تدلیس ۱۱۵

صحیحین میں مدلسین کی روایات ۱۱۷
صحابی مدلس؟ ۱۲۰
تدلیس کی لغویت ۱۲۱
زبیر علی زئی صاحب کا باطل دعویٰ ۱۲۵
الی نون نعبد کا ترجمہ؟ ۱۲۶
یرون کا ترجمہ ۱۳۰
خالد گھر جاکھی صاحب کی تحریف ۱۳۲
غیر ضروری اور بے جا اعتراضات ۱۳۳
دعائے قنوت پر اعتراض اور اس کا ازالہ ۱۳۷
عمرو بن عبید کی روایت پر بحث ۱۴۰
صحیحین کے راویوں پر زبیر علی زئی صاحب کا تبصرہ ۱۴۳
ابن لہیعہ پر تحقیق ۱۴۶
امام بخاریؒ کے قول سے غلط استدلال ۱۴۷
خلاصہ تفہیم الکلام ۱۵۱
امام بیہقیؒ اور سکتتین کی حدیث ۱۵۲
اختتام الکلام ۱۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿پیش لفظ﴾

جماعت المسلمین اللہ کے فضل وکرم سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔قرآن مجید اوراحادیث صحیحہ کومن وعن اُسی طریقے سے پیش کرنا جس طرح سے تکمیل دین کے وقت ان دونوں ماخذِ اسلام کوصحابہؓ نے محفوظ کرلیا تھا۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے جو ہر کسی کونصیب نہیں ہوتی۔کافی عرصہ سے ایک مخصوص طبقہ جماعت المسلمین کی ترقی سے بوکھلا کراس کے خلاف منفی پروپیگنڈااورالزم تراشیوں کے ذریعہ لوگوں کویہ باورکرانے کی ناکام کوشش کررہا ہے کہ جماعت المسلمین کی کتب میں بعض مسائل خلافِ حدیث ہیں۔ایسی ناکام کوششوں سے اس طبقہ کوحاصل تو کچھ نہیں ہورہا لیکن یہ عمل عوام میں اضطراب پھیلانے کا سبب بن رہا ہے۔لہٰذا ایسے تمام محاذوں پر جماعت المسلمین کونصرتِ الٰہی کے ساتھ قلم کا سہارالینا پڑتا ہے تاکہ حقیقت عیاں ہوجائے۔

حال ہی میں صدیق رضاصاحب نے فرقہ اہل حدیث کی نمائندگی کرتے ہوئے ہمارے خلاف ایک تحریر بنام ’’نماز میں سکتات کا مسئلہ اور جماعت المسلمین رجسٹرڈ‘‘ شائع کی۔یہ تحریر مصنف کے خیال میں جماعت المسلمین کے خلاف ہے لیکن درحقیقت یہ فاضل مصنف اورفرقہ اہل حدیث کے ہی خلاف ثابت ہوئی۔لفاظی،الزام تراشی اورعدم تحقیق پر مبنی یہ کتابچہ اپنے ہی مصنف کا علمی محاسبہ ثابت ہوا۔زیرِنظر کتاب ان بے بنیاد الزامات کی

تر دید اور مسئلہ سکتات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ جماعت المسلمین کے موقف کوقرآن مجید، احادیث، آثارِ صحابہؓ وتابعین اور آئمہ ومحدثین رحمهم الله کی علمی کاوشوں کی روشنی میں سمجھنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔اس کے علاوہ صلوٰۃ المسلمین سمیت جماعت المسلمین کی دیگر کتب پر اٹھائے گئے اعتراضات کے جواب اور معترضین کو ان کی اپنی کتب کی علمی اور تحقیقی حیثیت یاد دلانے کی بھی ایک کوشش ہے۔

اللہ ربّ العزت سے عاجزانہ دعاء ہے کہ وہ اس محنت کو قبول فرما کر قراءت خلف الامام کے مسئلہ پر ہم سب کو عین اسی طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس طرح سے محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔

آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿تفهيم الكلام فی كيفية القراء ة خلف الا مام﴾

جس دور میں آج ہم زندہ ہیں ایسا وقت ہم سے پہلے کے لوگوں نے نہ دیکھا تھا۔ گمراہی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے اور ہدایت معدوم ہو کر رہ گئی ہے۔ یہاں تک کہ دعاة علی ابواب جھنم کی وعید کے عین مطابق گمراہ فرقے جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہو کر اسلام کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں سرگرم عمل ہیں۔ ہدایت کو حاصل کر لینے اور اس پر قائم رہنے کی ایک ہی صورت ممکن ہے اور وہ یہ کہ اجتماعی صورت میں قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کو تھام لیا جائے۔

ہر فرقہ کل حزب بما لدیھم فرحون کے بمصداق اپنے آپ کو کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کا علمبردار اور دوسروں کو جہنم کا ایندھن سمجھتا ہے۔ لیکن افسوس کہ دلائل پیش کرنے سے سب ہی فرقے قاصر ہیں۔

ایسے میں اللہ تعالیٰ نے ہم گناہگاروں اور بھٹکے ہوؤں کو جماعت المسلمین سے روشناس کرایا کہ جہاں ہمیں ادخلوا فی السلم کافة کی عملی تصویر نظر آئی۔ الحمد للہ الذی ھدنا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھد نا اللہ!

نمازیں ہم پہلے بھی پڑھتے رہے لیکن صلوۃ المسلمین کے مطالعہ سے پہلے اور جماعت المسلمین میں شامل ہونے سے قبل ہم نماز کی اہمیت اور اس کے آداب سے قطعاً نابلد تھے۔

مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ماخوذ انفرادی اور اجتماعی نماز کی ایسی تربیت دی کہ آج اگر کوئی مسلم اس طریقہ پر نماز ادا کرتا ہے جو درحقیقت نماز ہے تو غیر بھی گواہی دیتے ہیں کہ "یہ اہل حدیث فرقہ سے تعلق رکھنے والا نہیں ہوگا ضرور یہ جماعت المسلمین سے تعلق رکھتا ہوگا"۔ اور ایسے بے شمار واقعات مسلمین کے لئے معمول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وللہ الحمد .

آداب الصلوۃ کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے قارئین سے گزارش ہے کہ صلوۃ المسلمین صفحات ۴۹ تا ۸۱ کا مطالعہ فرمائیں۔

اسی عمودِ اسلام یعنی صلوٰۃ کی اجتماعی صورت کا ایک اہم ترین جزء قراءت المأموم خلف الامام ہے کہ مقتدی اپنے امام کے پیچھے کس قدر اور کس وقت قراءت کرے کہ اس کی نماز سنت نبوی ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل کے عین مطابق ہو جائے اور عند اللہ مقبول ہو جائے۔

جماعت المسلمین نے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے اس بات کو واضح کیا کہ مقتدی فرض نماز کی ہر رکعت میں اپنے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی سری قراءت لازمی کرے گا اور اگر امام جہری قراءت کر رہا ہو تو مقتدی اُس وقت خاموش رہے گا اور امام کے سکتات میں سورہ فاتحہ کی قراءت کو حاصل کرے گا۔ اس سلسلے میں تفصیلی معلومات اور اشکالات کے مدلل جوابات صلوۃ المسلمین صفحات ۳۲۸ تا ۳۵۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ مزید معلومات کے لئے

کتابچہ ''امام کے دو سکتے'' کا مطالعہ بھی اس مسئلے کو واضح کر دینے کے لئے کافی ہے۔ انشاءاللہ۔

اس قدر تحقیق کے بعد اب اس مسئلہ قراءت خلف الامام پر مزید کچھ تحریر کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ لیکن صدیق رضا صاحب نے اپنا کتابچہ لکھ کر عامۃ المسلمین سے اپنے مضمون کے جواب کا پُر زور مطالبہ کیا، حالانکہ اُن کی اس تحریر میں کوئی قابل ذکر بات نظر نہیں آتی۔

موصوف بھی شاید اپنے اُستاد ابو جابر عبداللہ دامانوی صاحب کی طرح اسی زعم میں رہ جائیں گے کہ ان کی تحریر کا جواب دیا ہی نہیں جا سکتا۔

اس سے قبل دامانوی صاحب نے ''الفرقۃ الجدیدۃ'' لکھ کر یہ طفلانہ چیلنج دیا تھا کہ اس کتاب کا جواب جماعت المسلمین کے پاس ہے ہی نہیں۔ سید مسعود احمد صاحبؒ نے ''الجماعۃ القدیمۃ'' کے نام سے انتہائی مختصر اور جامع کتاب لکھ کر دامانوی صاحب کو مسکت جواب دے دیا تھا جو آج بھی دستیاب ہے۔

اس تحریر سے ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ مسلمین اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر جو لوگ علم آ جانے کے بعد بھی اختلاف پر جمے رہتے ہیں وہ دلائل کو تسلیم کرنے کی جگہ اُن دلائل کا کوئی نہ کوئی عجوبہء روزگار جواب ضرور لے آتے ہیں تاکہ اپنے مبلغِ علم کی حد تک اپنے نفس اور اپنے متبعین کو مطمئن کر سکیں۔ صدیق رضا صاحب نے

بھی کچھ ایسا ہی کر دکھایا۔

آئندہ صفحات میں ہم اُن کی تحریر میں پیش کردہ اکثر غلط استدلال اور فنِ حدیث کی آڑ میں بعض مسلمین کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے انشاء اللہ۔

صدیق صاحب اپنے کتابچہ کے صفحہ نمبر ے پر لکھتے ہیں۔

''جہاں تک اہلحدیث کا تعلق ہے تقریباً تمام لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ مقتدی کو قیام میں امام کے پیچھے بھی سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیئے، اس کا کوئی متعین ومخصوص طریقہ نہیں''۔

<u>ازالہ:</u> یہ عبارت پڑھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ امام کی جہری قراءت کے دوران ہی سورہ فاتحہ کی قراءت کو لازم سمجھنے والے اپنے موقف پر اس قدر کمزور ہیں کہ ان کے نزدیک قراءت فاتحہ خلف الامام کا کوئی متعین ومخصوص طریقہ ہی نہیں ہے۔حق وباطل کا فرق واضح کرنے کے لئے صدیق رضا صاحب کی یہ عبارت ہی کافی ہے۔شریعت مطہرہ میں ہر مسئلہ واضح ہے الحمد للہ اور اس میں اس قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے جیسا شک وشبہ صدیق رضا صاحب نے اپنی اس تحریر کردہ عبارت میں ظاہر کیا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ پر بڑی زبردست الجھن کا شکار ہیں۔

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل میں الجھن نام کی کوئی شے نہیں ہو سکتی۔

نبی اُمّی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

امتھو کون انتم کماتھوکت الیھود والنصاری لقد جئتکم بھابیضاءَ نقیته (مسند احمد، ابن ماجہ عن ابن عباسؓ وسندہ حسن، ورواہ ابن حبان عن جابرؓ وسندہ صحیح، بلوغ الامانی ۱/۱۷۵)

ترجمہ: کیاتم اسی طرح الجھن میں مبتلا ہو جس طرح یہود و نصاری۔ تحقیق میں تو تمہارے لئے روشن وصاف شریعت لے کر آیا ہوں۔

الغرض ہم تو کسی الجھن کا شکار نہیں ہیں الحمدللہ لیکن فرقہ پرستی میں پڑے لوگ چاہے قرآن و حدیث کے دعویدار ہی کیوں نہ ہوں وہ ضرور الجھنوں میں پڑے رہتے ہیں۔ فھم فی امر مریج ٥

جماعت المسلمین کے لئے اللہ کے فضل وکرم سے تمام شرعی معاملات روزِ روشن کی طرح واضح ہیں اور اس سلسلہ میں نہ کسی قسم کا شک ہے نہ کوئی تردّد۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسلمین پوری دل جمعی کے ساتھ مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر عمل پیرا ہیں اور امام کے سکتات میں ہی سورہ فاتحہ کا پڑھنا عین قرآن وسنت جان کر اس کی تبلیغ کرتے ہیں اور صدیق صاحب کی طرح غیر یقینی کی کیفیت میں مبتلا نہیں ہیں۔

صدیق رضا صاحب کی الجھن وشبہ پر مبنی عبارت جو صفحہ ۶ پر پیش کی گئی ہے، اس میں لفظ **تقریباً** بھی غور طلب ہے۔ یعنی ان کے نزدیک بھی تمام اہل حدیث علماء اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ امام کے پیچھے جہری رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا لازم ہے۔ اور ایسے ہی

علماء میں محمد ناصر الدین البانی صاحب بھی شامل تھے۔ البانی صاحب جن کی مبالغہ آمیز تعریف اہل حدیث علماء کا معمول ہے اور جن کے لئے صدیق رضا صاحب نے اپنے کتابچہ کے صفحات 44 اور 45 پر تعریف کے پل باندھ دئے۔ آئیں دیکھتے ہیں کہ البانی صاحب نے فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ پر کیا فیصلہ صادر فرمایا ہے۔

البانی صاحب رقمطراز ہیں:

﴿نسخ القراء ة وراء الا مام فی الجهرية﴾

وكان قد اجاز للموتمين ان يقرئوبها وراء الامام فى الصلوة الجهرية.....

ثم نهاهم عن القراء ة كلها فى الجهرية........وجعل الا نصات لقرأة الامام من تمام الا ئتمام به (صفۃ صلاۃ النبی ﷺ، ص ۷۰،۷۱)

ترجمہ: ''جہری رکعت میں امام کے پیچھے قرأت کے منسوخ ہونے کا بیان

اوائل میں رسول اللہ ﷺ نے جہری رکعتوں میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی اجازت دی تھی۔۔۔۔۔پھر بعد میں جہری رکعتوں میں تمام قراءت سے بشمول سورہ فاتحہ کے منع فرمادیا۔۔۔۔۔اور مقتدی کے لئے تکمیل اقتداء میں سے اس بات کو بھی ایک شرط بنادیا ہے کہ امام کی قراءت کے وقت مقتدی خاموش رہیں۔''

کیا فرمائیں گے صدیق رضا صاحب، ناصر الدین البانی صاحب کے اس علمی کارنامے کی بابت؟ کیونکہ اگر ہم کچھ لکھیں گے تو جناب کے چبھتے ہوئے جملوں کا نشانہ بنیں گے

جیسا نشانہ مسعود احمد صاحب ؒ کو بنایا جا تا رہا ہے۔

یہ ہے اہل حدیث علماء کا موقف فاتحہ خلف الامام کے متعلق کہ آج تک ان میں یہ فیصلہ ہی نہ ہوسکا کہ سورہ فاتحہ پڑھنی بھی ہے یا نہیں۔اور اگر پڑھنی ہے تو کب پڑھنی ہے۔ اپنا گھر درست کرنے کے بعد باہر والوں کی اصلاح کی جائے تو ان کے لئے بہت بہتر ہوگا۔

پھر طرفہ یہ کہ اپنے مسلک پرستوں کی کمزوری سے صرف نظر کرتے ہوئے صدیق رضا صاحب نے اپنے کتابچہ کے صفحہ ۶ پر جماعت المسلمین کے امام پر بلاوجہ تنقید کرڈالی۔

''مسعود احمد صاحب نے اپنے اس کمزور ترین موقف پر سخت ترین شدت اختیار فرمائی ،اور نہایت ہی افسوس کے ساتھ یہ بات نوک قلم پر لا کر صحیفہ قرطاس پر منتقل کرنی پڑ رہی ہے کہ اپنے اس کمزور ترین موقف کو ثابت کرنے اور اہل حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے کھلی دھاندلی سے بھی کام لیا اور کئی ایک خیانتوں تک کا ارتکاب کیا''۔

<u>تبصرہ:</u> قارئین کرام! آپ کو یہ محاورہ تو یاد ہوگا: الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے! اس کے علاوہ ہم کیا لکھیں۔کمزور اپنے موقف پر کون ہے، یہ بات گذشتہ صفحات میں ثابت کی جا چکی ہے۔مزید لکھنا اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرنا معلوم ہوتا ہے۔

اعتراض:

''اب مسعود صاحب کا موقف ملاحظہ کیجئے۔ لکھا ہے:

''امام کو چاہیئے کہ دو سکتے کرے ایک تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا قراءت ختم کرنے کے بعد رکوع سے پہلے مقتدی ہر حالت میں سورہ فاتحہ پڑھے لیکن جس رکعت میں امام بلند آواز سے قراءت کرے اس میں مقتدی سورہ فاتحہ امام کے سکتات میں پڑھے''

(صلوۃ المسلمین ۲۱۸)

صدیق رضا صاحب مزید لکھتے ہیں: '' یہ ہے مسعود صاحب کا موقف، ان کا بیان کیا ہوا یہی طریقہ جماعت المسلمین رجسٹرڈ میں عملی طور پر رائج و جاری ہے۔ سب ہی مسعود صاحب کی اس ہدایت پر سختی سے عمل کرتے ہیں، انکے ہاں امام اس طریقہ کے مطابق سکتے کرتے ہیں اور مقتدی ان سکتوں میں سورہ فاتحہ پڑھ لیتے ہیں۔ جو لوگ اس مسئلہ میں ان سے متفق نہیں اور اس طریقہ پر عمل نہیں کرتے ان پر مسعود صاحب نے بڑے ہی سخت فتوے لگائے''۔

ازالہ: فاتحہ خلف الامام کے مسئلے پر اہل حدیث علماء کا کوئی موقف ہے ہی نہیں۔ اس لئے جو اس مسئلہ پر اپنا مضبوط موقف پیش کرتا ہے وہ اُسے مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ مسعود صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا یہ موقف ان کا اپنا ذاتی خیال و رائے ہے یا اس کا ثبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ملتا ہے۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں:

انہ کان یسکت سکتتین اذاافتتح الصلوۃ واذا فرغ من القراءۃ کلھا

(ابوداوٗد کتاب الصلوۃ باب السکتۃ عندہ الافتتاح وسندہ صحیح ۱/۱۲۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ دو سکتے کیا کرتے تھے (پہلا) جب آپ نماز شروع کرتے تھے اور (دوسرا) جب آپ پوری قراءت سے فارغ ہو جاتے۔

اس حدیث کو صدیق رضا صاحب نے اپنے کتابچہ کے صفحہ ۱۲ پر صحیح تسلیم کیا ہے لیکن افسوس کہ اس کے باوجود لکھتے ہیں۔

"یاد رہے کہ اس سے صرف دو سکتے ہی ثابت ہوتے ہیں وہ بھی صرف پہلی رکعت میں، جن سے ہمیں انکار نہیں، الحمدللہ ان پر عمل پیرا بھی ہیں۔ لیکن ان دو سکتوں ہی میں مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھنا اور اس کا لازمی ہونا قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔"

ازالہ: قارئین کرام! یہ ہے فاضل مصنف کا دہرا معیار کہ حدیث کو اپنے بزرگان کی طرح ضعیف تو نہ کہا لیکن اس پر عمل نہ کرنے کا ایک عجیب بہانہ بنالیا کہ سکتات تو ٹھیک ہیں لیکن سورہ فاتحہ کے لئے نہیں ہیں۔ کیا انہیں اب تک معلوم نہیں ہوا کہ یہ دو سکتے آخر کس لئے کئے جاتے تھے؟ یہ دونوں سکتات یقیناً بے مقصد نہیں تھے۔ ان کا مقصد کیا تھا یہ صراحت بھی موجود ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں:

انہ کان یقرء خلف رسول اللہ ﷺ اذا انصت فاذا قرء لم یقرء فاذا انصت قرء (رواہ البیہقی فی کتاب القراءۃ ص۸۶ وسندہ صحیح)

ترجمہ: وہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قراءت کرتے تھے جب رسول اللہ ﷺ خاموش ہوتے تھے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے تو وہ نہیں پڑھتے تھے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ خاموش ہوتے تو وہ پڑھتے تھے۔

وہ کیا الفاظ تھے جو صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کی قراءت سے پہلے اور آپ کی قراءت کے اختتام پر آپ کے سکتے میں پڑھتے تھے؟ امید ہے کہ اس بات پر تو صدیق صاحب بھی متفق ہوں گے کہ یقیناً یہ سورۃ فاتحہ ہی تھی جس کی قراءت کا حکم رسول اللہ ﷺ نے مقتدیوں کو دیا تھا۔ اور اس سورت کے علاوہ کسی بھی اور آیت یا سورت کی تلاوت کو مقتدی کیلئے ممنوع قرار دیا تھا۔ اس کی تفصیل بھی مناسب مقام پر آگے پیش کی جائے گی انشاءاللہ

۔

مندرجہ بالا حدیث کو صدیق رضا صاحب نے اپنے کتابچہ کے صفحہ نمبر 60 پر حسن بتایا ہے اور اس کی سند پر کوئی کلام نہیں ہے۔

اس مقام پر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت مفید ثابت ہوگی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال الامام احمد رحمہ اللہ وفی حدیث سمرہ کان یسکت قبل القراءۃ

وبعدها قال البخاری فاذا قرأفی سکتته الامام لم یکن مخالفا لحدیث ابی خالد لانه یقرء فی سکتات الامام فاذا قرأ انصت (کتاب القراءۃ،ص ۹۱)

ترجمہ: امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سمرہؓ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قراءت سے پہلے اور قراءت کے بعد سکتہ کیا کرتے تھے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ جب مقتدی امام کے سکتے میں پڑھے گا تو ابو خالد کی حدیث (جب امام پڑھے تو خاموش رہو) کا مخالف نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ تو امام کے سکتات میں پڑھ رہا ہے۔اور جب امام پڑھتا ہے تو مقتدی خاموش ہو جاتا ہے۔

امام بیہقیؒ اس بات کو ثابت کرر ہے ہیں کہ امام احمدؒ اور امام بخاریؒ کے نزدیک قابلِ عمل یہی طریقہ ہے کہ مقتدی امام کی قراءت کے وقت خاموش رہے اور امام کے سکتات میں سورہ فاتحہ کو حاصل کر لے۔

لیکن کتنے دکھ کی بات ہے کہ حدیث کا نام لینے والے اور اپنے آپ کو محد ثین کے ہم لقب گردا ننے والے امام بخاری کی اس تصریح کو بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور اختلاف پر جمے ہوئے ہیں۔اور مسعود احمد صاحبؒ پر اپنے غضب کا اظہار کرر ہے ہیں۔کاش کہ وہ انصاف کرتے اور ایسے ہی سخت جملے ائمہ اور محد ثینؒ کے بارے میں بھی لکھنے کی جسارت کر دیتے تا کہ عوام الناس ان کی لفاظی کے دھوکے میں نہ آتے۔

اصل مسئلہ زیر بحث

صدیق رضا صاحب کے کتابچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیت واذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (الاعراف ۲۰۴)
(اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے) کو نا قابل عمل سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''حالانکہ اس آیت سے مقتدی کا سورہ فاتحہ پڑھنا منع ثابت ہی نہیں ہوتا چونکہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے کہ سورہ اعراف مکہ میں نازل ہوئی اور نماز بھی مکہ میں ہی فرض ہوئی۔ یہ آیت مبارکہ موجود تھی۔ لیکن اس کے باوجود لوگ نماز میں آپس میں بات چیت کرتے تھے''۔ (ص ۱۵)

ازالہ: بہت خوب! یعنی کہ سورہ اعراف کی زیر بحث آیت آپ کی نظر میں منسوخ عن العمل ٹھہری یا پھر اس آیت کا کوئی باطنی مفہوم ہے جو صرف صدیق رضا صاحب ہی کو سمجھ آیا۔ اتنے واضح الفاظ قرآنی کی موجودگی میں بھی یہ کہا جائے کہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ امام کی قراءت کے دوران مقتدی کا سورہ فاتحہ پڑھنا ممنوع ہے؟

فاضل مصنف نے اس پر ایک بے جا بحث کرنے کے بعد لکھا۔

''بہت خوب! کہ اس آیت سے نماز میں انسان کا ذاتی کلام تو ممنوع نہ ہو لیکن کلام الٰہی ممنوع ہو گیا''۔ (ص ۱۵)

ازالہ: کیا عجیب وغریب بات لکھی ہے! اگر صحابہ کرامؓ ممانعت کلام سے قبل نماز میں بات چیت یا سلام وغیرہ کرلیا کرتے تھے تو اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ وہ قراءت کے دوران یہ تمام کام کرتے تھے۔ بدگمانی کی ایسی عادت پڑ گئی ہے جناب کو کہ صحابہ کرامؓ کے متعلق بھی حسنِ ظن سے کام نہ لے سکے۔ ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نماز میں سلام و کلام دورانِ قراءت نہیں بلکہ نماز کے دیگر ارکین کی ادائیگی کے دوران کرتے ہونگے۔ سورۃ بقرہ کی آیت **قوموا اللہ قانتین** (۲۳۸) نے تمام نماز کے دوران کلام وسلام سے روک دیا جبکہ سورۃ الاعراف کی آیت ۲۰۴ کے حکم نے اس سے قبل دوران قراءت بات چیت سے روک دیا تھا۔ پھر یہ سمجھ لینا کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی تلاوت کے وقت آپس کی بات چیت کرلیا کرتے تھے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ صدیق رضا صاحب نے صحابہ کرامؓ کی شان میں اس گستاخی کو سرزد کرنے سے پہلے یہ نہ سوچا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ تلاوت فرما رہے ہیں اور اللہ رب العزت کی ممانعت کے باوجود صحابہؓ دوران قراءت آپس میں باتیں کررہے ہیں۔ دشمنانِ صحابہؓ کے ہاتھ آخر موصوف یہ ہتھیار کیوں سونپ رہے ہیں؟

یا یہ کہ صدیق رضا صاحب کا حسن انتخاب ہے کہ وہ ان آثارِ صحابہؓ کو اپنی رائے کے مطابق ڈھال رہے ہیں۔ اگر فرقہ اہلحدیث کے علماء کو ایسی تحقیق پیش کی جاتی تو امکان ہے کہ وہ بھی اس کی تردید کردیتے اور اس تحریر اور اس کے مصنف سے لاتعلقی کا

اعلان کر دیتے۔ حافظ محمد صاحب گوندلوی جن کو اہلحدیث میں استاذ الاساتذہ اور قدوت السالکین کہا جاتا ہے وہ اس آیت (سورۃ الاعراف ٢٠٤) اور استماع اور انصات کے مسئلہ پر لکھتے ہیں:

''اس آیت کو سری نماز میں پیش کرنا بالاجماع باطل ہے اور جہری نمازوں کے سکتات میں پڑھنا بالاجماع استماع اور انصات کے منافی نہیں۔ سکتات میں فاتحہ کا پڑھنا ممکن ہے۔ خواہ سکتہ چھوٹا ہو یا بڑا۔'' (خیر الکلام فی وجوب الفاتحہ خلف الامام ص ٢٩٩)

آیت زیر بحث اور اپنے خود ساختہ طرز فاتحہ خلف الامام کے دفاع میں فاضل مصنف لکھتے ہیں:

''پھر سوچئے! اگر اس آیت کا مفہوم وتقاضہ یہی ہوتا تو رسول اللہ ﷺ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلم کتاب وحکمت ہیں کس طرح جہری قراءت کے دوران ہی سورۃ الفاتحہ پڑھنے کو ارشاد فرماتے؟ نعوذ باللہ کیا معلم کتاب وحکمت قرآن کی اس آیت کو نہیں سمجھ سکے اور لوگوں نے سمجھ لیا؟'' (ص ١٥)

﴿فیصلہ کن جواب﴾

ہمیں باوجود تلاش کے کسی بھی روایت میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ ہنوز نہیں ملے کہ امام کی جہری قراءت کے دوران ہی سورۃ الفاتحہ پڑھ لینی چاہئے۔ اگر ایسی کوئی صحیح وصریح روایت نہ ملی اور انشاء اللہ نہ مل سکے گی تو پھر تحریف فی الدین، شریعت

سازی، افتراء، جھوٹ، فریب، دھوکا، خیانت جیسے قبیح الزامات جو موصوف نے مسعود احمد صاحبؒ پر لگائے ہیں وہ خود اپنے آپ کو ان ہی الزامات سے محفوظ نہ رکھ سکیں گے۔ اگر ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے بمصداق موصوف حدیث عبادہ بن صامتؓ سے ایسا استدلال لیتے ہیں تو اس کا مفصل جواب بعنوان "اہلحدیث حضرات کی دلیل واحد" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے برعکس ذیل میں ہم چند روایات پیش کرتے ہیں جن سے اطمینان قلبی حاصل ہو جائے گا کہ امام کی قراءت کے دوران مقتدی کو خاموش ہی رہنا چاہئے اور کچھ نہیں پڑھنا چاہئے۔

اگر امام کی جہری قراءت کے وقت مقتدی کا خاموش ہونا صرف سورہ اعراف کی آیت ۲۰۴ سے ہی ماخوذ ہو تب بھی اعتراض کو رفع کر دیا گیا ہے۔

لیکن اگر کوئی صاحب پھر بھی نہ ماننا چاہیں تو ہم آپ کی خدمت میں ایک صحیح حدیث پیش کرتے ہیں تو جو بالاتفاق مدنی ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے رسول اللہ ﷺ کے بابرکت الفاظ کا ذکر فرمایا جن میں آپ نے نماز کے منجملہ دیگر مسائل کے فرمایا واذا قرأ فانصتوا (صحیح مسلم باب التشھد فی الصلوٰۃ)

ترجمہ: اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔

اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح قرار دیا ہے اور امام بخاری نے اس کے بارے میں فرمایا:

قال البخاری فاذا قرا فی سکتۃ الامام لم یکن مخالفاً لحدیث ابی خالد لانہ یقرء فی سکتات الامام فاذ اقرأ انصت (کتاب القراءۃ ص ۹۱)

ترجمہ: امام بخاری فرماتے ہیں جب مقتدی امام کے سکتے میں پڑھے گا تو ابو خالد کی حدیث (جب امام پڑھے تو خاموش رہو) کا مخالف نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ امام کے سکتات میں پڑھ رہا ہے اور جب امام پڑھتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتا ہے۔

گویا کہ امام بخاری ان الفاظ کو تسلیم کرتے ہیں تب ہی تو فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی مخالفت نہ ہو اور سکتہ میں فاتحہ کی قراءت کر لی جائے۔ اس حدیث کو ناصر الدین البانی صاحب نے بھی قابلِ احتجاج بتایا ہے (ارواء الغلیل ح ۳۳۲، ۳۹۴)

کیا اب بھی کوئی یہ کہنے کی جرأت رکھتا ہے کہ امام کی قراءت کے وقت مقتدی خاموش نہ رہے اور قراءت کرتا رہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو اپنی عقل کی بھینٹ چڑھا دینا بھی ایمان ہو سکتا ہے؟

رہا معاملہ حدیثِ عبادہؓ لا تقرء وا بشی من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن (جب میں جہر سے قراءت کروں تو قرآن میں سے کچھ نہ پڑھا کرو سوائے سورہ فاتحہ کے) کا تو کیا یہ حدیث امام بیہقیؒ، امام بخاریؒ، امام احمدؒ وغیرہم کے علم میں نہیں تھی؟ یقیناً تھی اور انکی کتب اس بات پر شاہد ہیں کہ لیکن ان ائمہؒ نے اس سے یہ موقف

اختیار نہیں کیا کہ امام کی قراءت کے دوران ہی مقتدی قراءت کرے بلکہ ان سب سے یہی بات ملتی ہے کہ امام کے سکتات میں سورہ فاتحہ کو پڑھا جائے نہ کہ امام کی قراءت میں اس کے ساتھ منازعت کی جائے۔ اس حدیث سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مقتدی کو جہری رکعتوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ لازمی پڑھنی چاہیۓ۔ اور اسکے علاوہ کوئی اور سورت یا آیت نہیں پڑھنی چاہیۓ۔ اتنی سیدھی سی بات کو اتنا الجھا کر صدیق رضا صاحب نے اپنے مسلک کو سہارا دینے کی کوشش تو ضرور کی ہے لیکن اسلام کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔ مسلک پرستی اور فرقہ پرستی کا یہ کرشمہ ہی عقل والوں کیلئے ایک نشانی ہے۔ العیاذ باللہ۔

آیت زیر بحث (سورۃ الاعراف ۲۰۴) اگرچہ صدیق رضا صاحب کے مطابق مانع قراءت خلف الامام نہیں ہے۔ لیکن ہم چند بزرگ ہستیوں کے حوالے نقل کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت ابو وائلؒ فرماتے ہیں:

قال عبداللہ فی القراءۃ خلف الامام انصت للقرآن کما امرت فان فی القراءۃ لشغلا سیکفیک ذلک الامام۔ (کتاب القراءۃ ص ۷۳، السنن الکبری ۲/ ۱۲۰ وسندہ صحیح)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے قراءت خلف الامام کے بارے میں فرمایا، قراءت

سننے کے لئے خاموش رہو جیسا کہ حکم دیا گیا ہے کیوں کہ قراءت میں شغل ہے۔امام کا پڑھنا ہی تمھیں کافی ہے۔

عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتو العلكم ترحمون. يعنى فى الصلوة المفروضة (کتاب القراءۃ ص ۷۳ وسندہ حسن)

یہ آیت جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہا کرو اور غور سے سنا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے فرض نماز کیلئے ہے۔

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں:

المؤمن فى سعة من الاستماع اليه الا فى الصلاة المفروضة او المكتوبة او يوم جمعة او يوم فطر او يوم اضحى يعنى واذا قرئ القرآن.. الآية

(کتاب القراءۃ ص ۷۳ وسندہ حسن)

ترجمہ: یعنی آیت (واذا قرئ القرآن) کے پیش نظر مومن پر کوئی پابندی نہیں۔مگر فرض نماز، جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ تلاوت نہ سنے۔

قتادہ کا بیان ہے کہ حضرت سعید بن مسیّبؒ فرماتے ہیں:

واذا قرى القرآن فاستمعو اله وانصتو افى الصلاة

(کتاب القراءۃ ص ۷۵ وسندہ صحیح)

ترجمہ: یہ آیت جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو نماز کے بارے میں ہے۔

نوٹ: قتادہؒ کے عنعنہ کی بناء پر اس روایت کو معلول سمجھنا جماعت المسلمین کے نزدیک مردود ہے۔ تدلیس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''تدلیس کی لغویت''۔

حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ کے قول کہ یہ آیت نماز کیلئے ہے پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے جناب ارشاد الحق اثری صاحب اہل حدیث جو حافظ محمد صاحب گوندلوی کے شاگرد رشید ہیں لکھتے ہیں:

''حضرت عطاء ابن رباح سے قراءت خلف الامام کا فتویٰ بسند صحیح ثابت ہے۔ البتہ وہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ سکتات میں پڑھنے کا حکم فرماتے تھے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ لہٰذا اولاً تو اس میں بظاہر صرف حالت نماز میں کلام کی ممانعت ہے۔ بصورت دیگر سکتات میں پڑھنا خود ان کے نزدیک اس آیت کے مخالف نہیں۔'' (توضیح الکلام ص ۵۳۵، ۵۳۶)

اس مقام پر ہم قارئین کرام کو دور صحابہؓ اور ائمہؒ کا مختصر جائزہ لینے کی دعوت دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ نماز کے سنت طریقے کو دشمنانِ اسلام نے کس طرح سے مسخ کیا اور فرقہ بندی اس ترک سنت کیلئے کس طرح سے ایک انتہائی موثر ذریعہ ثابت ہوئی۔

﴿مسئلہ سکتات تاریخ کی روشنی میں﴾

حضرت عمر بن خطابؓ کے دور خلافت میں انتہائی سبک رفتاری کے ساتھ نئے علاقہ جات علمِ اسلام کے تحت متحد ہورہے تھے۔ لیکن خارجی اور سبائی تحریکیں حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد اسلامی ریاست کو متفرق کرنے اور اسلامی اقدار کو تبدیل کرنے کی کوشش میں مصروف رہیں۔ مدینہ منورہ جو اسلامی ریاست کا مرکز تھا وہاں اسلام اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا لیکن جو علاقہ جات مرکز سے بعید تھے وہاں یہ باغی اور یہود کے زیرسایہ پنپنے والی تحریکیں تیزی سے اپنا کام کررہی تھیں۔ بالآخر مرکز کی منتقلی جب عمل میں لائی گئی تو ان تحریکوں کو یہ موقع میسر آیا کہ مرکز کے خلاف لوگوں کو بدظن کرنے کے ساتھ ساتھ صحابہؓ اور خلفاءؓ کے خلاف زہرافشانی کھل کر کرسکیں۔ ساتھ ہی مدینہ سے دوری کے باعث اسلامی اقدار خصوصاً طریقہ نماز میں ردوبدل کرسکیں تاکہ جب نماز باجماعت ہی اپنی اصل صورت پر نہ رہے گی تو امت مسلمہ کمزور پڑ جائیگی اور اس کو قابو کرنا سہل تر ہوجائے گا۔ نماز باجماعت ہی وہ نسخہ تھا جس کے ذریعہ اسلامی یکجہتی، بھائی چارہ اور اتحاد قائم تھا اور اس کو ہدف نشان بنانا دشمنان اسلام کی اولین ترجیحات میں سے تھا۔ انتہائی افسوس کے ساتھ یہ تحریر کرنا پڑتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے جس کی گواہی ہمیں حضرت انسؓ سے ملتی ہے۔

امام زھریؒ فرماتے ہیں:

دخلت علی انس بن مالک بدمشق وھو یبکی فقلت ما یبکیک؟ فقال ما اعرف شیئا مما ادرکت الا ھذہ الصلوۃ وھذہ الصلوۃ قد ضُیعت

(صحیح بخاری کتاب المواقیت باب تضییع الصلوۃ عن وقتھا)

ترجمہ: میں ایک بار دمشق میں انس بن مالکؓ کے پاس گیا اس حال میں کہ وہ رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو کس بات نے رلایا؟ فرمایا رسول اللہ ﷺ کے دور اقدس کی جو باتیں میں پہنچانتا تھا ان میں سے کوئی بات مجھ کو اب نظر نہیں آتی۔ سوائے اس نماز کے اور سچ تو یہ ہے کہ اس نماز کو بھی ضائع کر دیا گیا ہے۔

الغرض طریقہ نماز میں تغیر وتبدل مسلسل جاری تھا اور اس بات پر صحابہ کرامؓ بہت افسوس کر رہے تھے لیکن اجتماعیت کی خاطر ایک دوسرے کے پیچھے ادائیگی نماز کو ترک نہ کیا گیا کیونکہ بہرحال تمام ریاستیں امیر المومنین کے ماتحت تھیں اور اس دور تک کوئی تقلیدی رجحان کا فرقہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ سب لوگ جماعت المسلمین میں ہی شامل تھے اگرچہ مرکز کی تبدیلی اور بُعد کی بناء پر تعلیماتِ اسلامی ترک کی جارہی تھیں اور آج کل کی طرح وسائل میسر نہ تھے کہ فوری طور پر مرکز کی جانب سے سنت کی خلاف ورزی پر کاروائی عمل میں لائی جاتی۔

رفع الیدین کا ترک کروانا دشمنان اسلام کی اولین سازش کا حصہ تھا لیکن شخصی تقلید پر امت کی اکثریت مجتمع نہ ہوئی تھی لہٰذا یہ کام مشکل تھا۔ تیسری صدی ہجری تک یہ کام

آسان ہو گیا کیونکہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں لوگ تقلید شخصی کی گمراہی کو اختیار کرنا شروع ہو چکے تھے۔

بالکل اسی طرح قراءت خلف الامام کے خلاف بھی سازش کی گئی تا کہ اُمت کے اکثر لوگوں کو اس سنت سے دور کر دیا جائے کہ جس کے نتیجہ میں اُن کی نمازیں ضائع ہو جائے کیونکہ جب تک مقتدی سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اُس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا صلوة لمن لم یقرا بفاتحة الکتاب (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

ترجمہ: جو شخص سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

اوائل میں تو لوگ عین سنت کے مطابق امام کے سکتات میں سورہ فاتحہ پڑھتے رہے لیکن آہستہ آہستہ سازشی عناصر نے لوگوں کو اس سنت سے دور کرنے کی کوشش کی تا کہ جب سکتات کی سنت ختم ہو جائے تو قراءت خلف الامام کے خلاف دشمنان اسلام کی سازش دوسرے مرحلے میں داخل ہو سکے جس کے تحت بعض کوفی فقہاء نے قرآن مجید کے حکم انصات واستماع کو حدیثِ رسول ﷺ سے ٹکرا کر لوگوں کو اس بات پر قائل کیا جائے کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے۔ کیونکہ قرآن کی تلاوت کے وقت خاموش رہنا لازم ہے اور یہ کہ امام کی قراءت مقتدی کے لئے کفایت کرتی ہے۔ اس بات کی گواہی کہ یہ سازش کامیاب ہو رہی تھی ہمیں درج ذیل اثر سے ملتی ہے۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں:

وقال ابن خثیم قلت لسعیدبن جبیر اقرأخلف الا مام ؟ قال نعم وان کنت تسمع قراء ته فانھم قداحد ثوا مالم یکونوا یصنعو نه ان السلف کان اذا ام احدھم الناس کبر ثم انصت حتی یظن ان من خلفه قراء فاتحة الکتاب ثم قرأ فانصتوا (جزءالقراءۃ للبخاری صفحہ۶۲ رواتہ ثقات وسندہ حسن وروی عبدالرزاق نحوہ وسندہ صحیح مصنف ۲/۱۳۴)

ترجمہ: ابن خثیمؒ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیرؒ سے پوچھا ''کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں؟فرمایاہاں اگر چہ تم اس کی قراءت سنو (کیونکہ آج کل امام سکتہ نہیں کرتے پھر بھی سورہ فاتحہ پڑھ لوتا کہ نماز ضائع نہ ہو) بیشک ان لوگوں نے بدعت نکال لی ہے (کہ سکتہ نہیں کرتے) سلف یعنی صحابہؓ یہ کام نہیں کرتے تھے، بیشک صحابہ کرامؓ میں سے جب کوئی لوگوں کی امامت کراتا تو اللہ اکبر کہہ کر خاموش ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اُسے یقین ہو جاتا تھا کہ اب مقتدیوں نے سورہ فاتحہ پڑھ لی ہوگی۔تو پھر وہ قراءت شروع کرتا تھا اور مقتدی خاموش ہو جایا کرتے تھے۔

گویا کہ سکتات میں قراءت خلف امام کی سنت کو پہلے ترک کیا گیا،سکتات کی جگہ لوگوں نے امام کی قراءت کے دوران ہی سورہ فاتحہ کا پڑھنا مباح سمجھ لیا گویا کہ لوگ مجبوراً اب سورہ فاتحہ امام کی قراءت کے دوران پڑھ رہے تھے نہ کہ سنت سمجھ کر کیونکہ بہر حال باجماعت نماز ادا کرنی تھی اور سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہوتی۔ایسے میں لوگ اس نئے کام کو

اختیار کر کے نماز با جماعت ادا کرنے پر مجبور تھے۔عبد اللہ بن عثمان بن خثیمؒ کا سوال اس بات کا ثبوت ہے کہ لوگ مجبوراً یہ عمل کر رہے تھے نہ کہ خوشی سے۔لیکن افسوس کہ صدیق رضا صاحب اور دیگر علماء اہلِ حدیث نے اس عملِ اضطراری کو ہی سنت سمجھ لیا اور سکتات کے سنت طریقے کی مخالفت کرنے لگے۔

اس تاریخی جائزہ کا مقصد یہ ہے کہ قارئین اس بات کو سمجھ سکیں کہ امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ نامی کتاب کو آخر کیوں مرتب کیا؟ پھر امام بیہقیؒ نے بھی کتاب القراءۃ لکھ کر لوگوں کو کیا سبق یاد دلانا چاہا۔

امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ کا اپنی ان کتابوں میں طرزِ تحریر اور اسلوبِ تصنیف بتاتا ہے کہ وہ بھی سکتات میں سورہ فاتحہ کے حاصل کر لینے کو عین سنت اور صحابہؓ کا عمل سمجھتے تھے لیکن بعد کے ادوار میں جن لوگوں نے ترک قراءت کو اختیار کیا ان دونوں ائمہ نے اپنی کتابیں ایسے لوگوں کے جواب میں لکھیں۔اس سے پہلے امام بخاریؒ نے ترک رفع الیدین کے خلاف جزء رفع الیدین کے نام سے جامع تحقیق پیش کر کے تارکین رفع الیدین کو مسکت جواب دیا تھا۔

جہاں کہیں جزء القراءۃ اور کتاب القراءۃ میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ امام کے ساتھ ساتھ ہی سورہ فاتحہ پڑھ لو تو یہ عین وہی جواب ہے جو سعید بن جبیرؒ نے ابن خثیمؒ کو دیا تھا۔ کہ اگر تمہارے امام سکتہ نہیں کرتے تو یہ نہ سمجھو کہ سورہ فاتحہ پڑھے بغیر تمہاری نماز

ہو جائیگی۔ بلکہ امام کی قراءت کے ساتھ ہی اضطراری کیفیت جان کر پڑھ لو۔ امام سے اللہ حساب لے گا لیکن تم اپنی نمازیں با جماعت ادا کرتے رہو۔ اور یہ سب کچھ جماعت المسلمین اور سلطنت اسلامیہ کو افتراق سے بچانے کے لئے بتایا گیا تا کہ دشمنان اسلام کی آخری سازش کامیاب نہ ہو سکے جس کا مقصد اسلام میں فرقہ بندی پیدا کر کے اُمت کی طاقت کو منقسم کرنا تھا۔ بڑے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ یہی سازش آج بھی **DIVIDE & RULE** کی اصطلاح کے تحت دنیا میں جاری ہے۔

امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ میں بیشمار آثار و اقوال قراءت خلف الامام کے ثبوت میں نقل فرمائے ہیں۔ اُن کا مقصد اُن عناصر کو خاموش کرنا تھا جو جہری رکعتوں میں امام کے پیچھے قراءت کرنے کو خلاف قرآن کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ دونوں دیگر ائمہ و محدثین کی طرح سکتات میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کو عین سنت جانتے تھے اور قرآن مجید کی خلاف ورزی سے بھی روکتے رہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس وقت خاموشی کے ساتھ تلاوت کو بغور سننا چاہئے۔ لہٰذا جہاں کہیں بھی ان کتب میں کسی پیش کردہ اثر یا روایت میں وان جھر یا وان جھرت کے صیغہات استعمال ہوئے ہیں وہاں ہم یہی مراد لیں گے کہ اگر چہ جہری رکعت ہو پھر بھی سورۃ الفاتحہ مقتدی کو پڑھنی ہے اور یہ ترجمہ نہیں کیا جائے گا کہ اگر چہ امام جہری قراءت کر رہا ہو تب بھی قراءت کے دوران ہی مقتدی سورۃ الفاتحہ پڑھے گا۔ کیونکہ اگر امام بخاریؒ اور امام بیہقیؒ امام کی قراءت کے دوران ہی

مقتدی کی قراءت کو سنت سمجھتے اور تلاوت قرآن کے دوران قراءت فاتحہ کو سنت جانتے تو وہ ہرگز سکتات میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا ذکر نہ فرماتے اور نہ ہی قرآن مجید کی آیت فاستمعوا لہ وانصتوا کی خلاف ورزی سے روکتے جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

فاذا قرء الامام انصت حتی یکون متبعا لقولہ تعالیٰ فاستمعو لہ وانصتوا فیستعمل قول اللہ تعالیٰ ویتبع قول رسول اللہ ﷺ (جزءالقراۃ ص ۱۱)

ترجمہ: اس طرح (یعنی امام کے سکتہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے سے) مقتدی اللہ تعالیٰ کے فرمان "جب قرآن مجید پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو" کا بھی متبع ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث (بغیر سورۃ الفاتحہ کے نماز نہیں ہوتی) کا بھی متبع ہوگا۔
عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے اور نصیحت بھی عقلمند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔

﴿استماع وانصات کا صحیح مفہوم﴾

اپنے کتابچے کے صفحات (۱۸) اور (۱۹) پر موصوف نے جمعہ کے خطبہ کے دوران استماع وانصات کی احادیث پیش کر کے آخر میں تحیّۃ المسجد کو خطبہ جمعہ کے دوران ادا کرنے کی تاکیدی حدیث پیش کرنے کے بعد لکھا:

"بلکہ اس کا حقیقی حل یہ ہے کہ اس طرح یا اس حالت میں دو رکعتیں پڑھ لینا ایک استثنائی معاملہ ہے بیک وقت دونوں حکموں پر عمل ہوگا، دو رکعتیں پڑھ کر توجہ خطبہ کی

طرف مبذول کردے اور بالکل خاموشی سے سنے''۔

ازالہ: یہاں ہم صدیق رضا صاحب سے کچھ وضاحت طلب کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔کیا آپ کے نزدیک تحیّتہ المسجد کے اس استثنائی حکم پر اسی شدومد سے عمل کروایا جاتا ہے جس طرح سے امام کی قراءت کے دوران سورہ فاتحہ پڑھنے پر عمل کروایا جاتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں کیونکہ تحیّتہ المسجد کو اہلحدیث کے نزدیک نفل قرار دیا گیا ہے (البلاغ المبین صفحہ ۱۳۶)۔لہذا اس دلیل کے تحت تو آپ کا طریقہ قراءت خلف الامام سنت نہ ہوا بلکہ زیادہ سے زیادہ مستحب ہی قرار پائے گا۔لہذا جو طویل بحث آپ نے پیش کی ہے اس پر آپ کا اپنا ہی عمل نہیں ہے اور یہ دلیل آپ کے کسی کام کی نہیں۔

۲۔دورانِ خطبہ دو رکعت پڑھنے کا حکم صرف اس شخص کیلئے ہیں جو خطبہ شروع ہونے سے قبل تحیّتہ المسجد نہ پڑھ سکا تھا۔گویا ہر شخص کو دوران خطبہ ان دو رکعتوں کی اجازت نہیں ہے۔جبکہ آپ دورانِ تلاوت تمام مقتدیوں کو سورۃ الفاتحہ پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔لہذا ان دونوں مسائل میں جو تفاوت ہے وہ ظاہر ہے،اس کو آپ دلیل نہیں بنا سکتے۔

۳۔خطبہ جمعہ غور سے سننے اور تحیّتہ المسجد کو لازم پڑھنے کے حکم پر جس طرح سے جماعت المسلمین کی تمام مساجد میں عمل کیا جاتا ہے اس طرح سے آپ فرقہ اہلحدیث کی مساجد میں عمل دکھا دیجئے تب آپ کا استدلال قابل وقعت ہوگا۔

۴۔ استماع للخطبہ اور تحیّتہ المسجد پڑھنے کے مسئلہ پر جو تطبیق دی گئی ہے کیا یہی

تطبیق قرآن مجید کی آیت سورۃ الاعراف ۲۰۴ اور سورۃ الفاتحہ پڑھنے کی حکمی حدیث کے درمیان نہیں دی جاسکتی؟ اگر آپ انصاف کریں تو مسئلہ سکتات ہی تطبیق کی وہ صورت ہے جس سے ان دونوں احکام پر بیک وقت عمل ممکن ہے۔

۵۔ کیا آپ حضرات امام کی قراءت کے دوران ہی سورہ فاتحہ کی قراءت کر کے سورہ اعراف آیت ۲۰۴، حدیث ابوموسیٰ اشعریؓ اور سکتات کے سنت طریقے کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپ کو اس مسئلے پر حق جانب سمجھتے ہیں؟

ہم مسلمین اللہ کے فضل سے بیک وقت ان تمام آیات واحادیث پر عمل کر رہے ہیں اور آپ کو بھی اسی بات کی دعوت دے رہے ہیں۔

لہٰذا استماع اور انصات کا درست مفہوم وہی ہوگا جس کے ذریعے تمام آیات واحادیث پر بیک وقت عمل ہو سکے جیسا کہ تحیتہ المجسد پڑھنے اور خطبہ جمعہ غور سے سننے کے حکم پر بیک وقت عمل کیا جاتا ہے۔ جب امام خاموش ہو تو سورہ فاتحہ پڑھ لیجئے جب امام قراءت کرے تو خاموش رہیے اور جب امام خاموش ہو جائے تو سورہ فاتحہ کی قراءت کر لیجئے۔ یہی ہے استماع، انصات اور قرأت فاتحہ کا وہ مفہوم جو قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے۔

﴿استماع وانصات پر فیصلہ کن دلیل﴾

صدیق رضا صاحب استماع وانصات کو اپنی مرضی کے معنی پہنانے کی کوشش میں

اسی لئے سرگرمِ عمل ہیں کہ کسی طرح سے امام کی قراءت کے دوران سورہ فاتحہ کی تلاوت ثابت ہو جائے اور اُن کے مسلک کی تائید ہو جائے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا واقعتاً استماع و انصات کا یہی مطلب ہے کہ تلاوت قرآن کے دوران بھی قراءت جاری رکھی جائے یا اس سے مکمل خاموشی مراد ہے؟

سعید بن جبیرؒ، عبداللہ بن عباسؓ سے اللہ کے فرمان **لا تحرک به لسانک** (سورہ قیامہ آیت نمبر ۱۹) کی بابت روایت کرتے ہیں:

کان رسول اللّٰه ﷺ یعالج من التنزیل شدة و کان مما یحرک شفتیه فقال ابن عباس فانا احرکهما لک کما کان رسول الله ﷺ یحرکهما وقال سعید انا احرکهما کما رایت ابن عباس یحرکهما فحرک شفتیه فانزل الله تعالیٰ لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرآنه قال جمعه لک صدرک وتقرأه فاذا قراناه فاتبع قرآنه قال فاستمع له وانصت ثم ان علینا بیانه ثم ان علینا ان تقرأه فکان رسول الله ﷺ بعد ذلک اذا اتاه جبریل استمع فاذا انطلق جبریل قرأهٗ النبی ﷺ کما قرأ

(صحیح بخاری کتاب الوحی 5/1 وصحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب الاستماع 448/1)

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

کان النبی ﷺ اذا نزل علیه جبریل بالوحی کان مما یحرک به لسانه

وشفتيه ويشتد عليه فكان ذلك يعرف منه فانزل الله تعالىٰ لا تحرك به لسانك لتعجل به اخذه ان علينا جمعه وقرانه ان علينا ان نجمعه فى صدرك وقرآنه فتقرأه فاذا قراناه فاتبع قرآنه قال انزلناه فاستمع له وانصت ان علينا بيانه ان نبينه بلسانك فكان اذا اتاه جبريل اطرق فاذا ذهب قرأه كما وعده الله (حوالہ مذکور)

ان دونوں روایات سے بات واضح ہوجاتی ہے کہ رسول اللہ علیہ کے پاس جب جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آیا کرتے تو آپ اسے یاد کرنے کیلئے اپنی زبان اور اپنے ہونٹوں کو حرکت دیا کرتے تھے۔ اس سے آپ کو کافی تکلیف محسوس ہوتی تھی اور یہ تکلیف آپ کے چہرے سے پہچانی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسول علیہ آپ وحی کو جلدی یاد کرنے کیلئے **اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے** اس قرآن کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے۔ پس جب ہم پڑھا کریں تو **آپ سنتے رہا کریں اور خاموش رہا کریں** (یعنی استماع کے ساتھ انصات ایسا ہو کہ ہونٹ اور زبان حرکت تک نہ کریں) پھر اس کی تشریح بھی ہمارے ذمہ ہے۔ ان آیات کے نزول کے بعد جب جبرئیل علیہ السلام آتے تو رسول اللہ علیہ سر جھکا کر سنتے رہتے، جب وہ چلے جاتے تو رسول اللہ علیہ اللہ کے وعدے کے مطابق اسی طرح پڑھا کرتے تھے جس طرح جبرئیل علیہ السلام نے پڑھایا تھا۔

سعید بن جبیرؒ جو اس متفق علیہ روایت کو بیان کرتے ہیں انہی سے تمام سلف

صالحین کا مقتدی کی قراءت کیلئے سکتات کی رعایت کرنا گذشتہ صفحات میں ثابت کیا گیا ہے۔رب اشارۃ ابلغ من العبارۃ ۔

اس متفق علیہ روایت سے استماع وانصات کی پوری کیفیت نکھر کر سامنے آگئی کہ تلاوت قرآن کے وقت اس قدر انصات یعنی خاموشی ہو کہ زبان اور ہونٹ حرکت تک نہ کریں اور جب تلاوت ختم ہو جائے تو خود پڑھ لیا جائے۔کیا اب صدیق رضا صاحب اوران کے ہم مشرب استماع وانصات کی اس بحث کو ختم کرنے کو تیار ہونگے ؟ اس کا جواب ہماری کتاب کے شائع ہونے کے بعد سامنے آجائے گا۔انشاءاللہ۔

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

بخلاف وجوبها حال الجهر فانه شاذ حتى نقل احمد الاجماع على خلافه (فتاوی ۲/۱۴۹)

ترجمہ: امام کے جہر کے ساتھ ساتھ قراءت کا واجب ہونا شاذ ہے۔یہاں تک کہ امام احمدؒ نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے۔

اس عبارت پر حافظ محمد گوندلوی صاحب تبصرہ فرماتے ہیں:

''اس کا مطلب بھی یہی ہو سکتا ہے کہ جب امام پڑھتا ہو اس وقت قراءت کا واجب ہونا خلاف اجماع ہے۔یعنی جولوگ قراءت خلف الامام کو واجب سمجھتے ہیں، ان کا یہ مذہب نہیں ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ قراءت واجب ہے بلکہ وہ مقتدی کو سکتات میں

پڑھنے کی بھی اجازت دیتے ہیں۔پس ان کے ہاں سکتات میں پڑھنے سے بھی فرض ادا ہوجاتا ہے۔''(خیر الکلام فی وجوب الفاتحہ خلف الامام ص ۳۲)

ہم اس عبارت پر تبصرہ پیش کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔صدیق رضا صاحب نے یہ کتابچہ لکھ کر ہمیں نادانستہ طور پر اپنے ہی فرقے کے نامور علماء کے علمی محاسبہ کی دعوت دی تھی جس پر ہم نے فقط لبیک کہا ہے۔

﴿دعائے استفتاح یا سکتہ؟﴾

صدیق رضا صاحب رقمطراز ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ یسکت بین التکبیر والقرأۃ سکتہ ....فقلت بابی وامی یا رسول اللہ! اسکاتک بین التکبیر والقراءۃ ماتقول؟ قال: اقول اللھم باعدبینی وبین خطایای ..... الخ

(صحیح البخاری، رقم:744، صحیح مسلم، رقم: 1354)

رسول اللہ ﷺ قراءت وتکبیر کے درمیان سکوت فرماتے تھے........تو میں نے پوچھا میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے رسول ﷺ آپ تکبیر اور قراءت کے درمیان جو سکوت فرماتے ہیں۔اس میں کیا کہتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے (جواباً) ارشاد فرمایا میں یہ کہتا ہوں:

اللھم باعد بینی وبین خطایای ......الخ

اس حدیث سے اس سوال کا جواب واضح طور پر مل جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا پہلا سکتہ کس وجہ سے تھا؟ دراصل اس سکتہ میں آپ ﷺ دعاء استفتاح پڑھا کرتے تھے، یہ دعا قدرے طویل ہے۔ تو اس دعا میں مصروفیت کے دوران اتنی دیر تک آپ تلاوت نہیں فرماتے تھے بلکہ سکوت رہتا۔

تکبیر و قراءت کے دوران اس سکوت سے متعلق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ذہن میں سوال پیدا ہوا تو آپ نے اس کے متعلق سوال پوچھ لیا، اگر نبی کریم ﷺ نے پہلے ہی یہ تعلیم دی ہوتی کہ یہ سکتہ مقتدی کی قراءت کے لئے ہے تو اسکے متعلق کیوں پوچھتے؟ پھر آپ ﷺ نے اس سکتہ کی وضاحت فرمادی، اگر یہ سکتہ مقتدی کی سورہ فاتحہ ہی کے لئے ہوتا جیسا کہ مسعود صاحب اور ان کی جماعت والوں کا خیال ہے، تو رسول اللہ ﷺ جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کتاب وحکمت کی تعلیم کا منصب عطا فرمایا تھا، ضرور اس بات کی تعلیم دیتے کہ اے ابو ہریرہ یہ سکتہ تو مقتدی کی قراءت فاتحہ کے لئے ہوتا ہے کہ وہ پڑھ لے، لیکن ایسا نہیں ہوا نہ صرف یہ کہ اس موقع پر بلکہ کسی بھی موقع پر اس طرح کی کسی تعلیم کا ذکر نہیں ملتا۔ (ص ۲۲، ۲۳)

ازالہ: صدیق رضا صاحب نے غالباً حضرت ابو ہریرہؓ کا سوال ہی نہیں سمجھا ورنہ انہیں اتنی لمبی تفصیل لکھنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ جو روایت دعائے استفتاح کے سلسلے میں جناب نے پیش کی ہے اس سے یہ مقصد لیا کہ یہ سکتہ مقتدی کی سورہ فاتحہ کی قراءت کے

لئے نہیں ہے مضحکہ خیز ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ سے سکتہ کرنے کا مقصد نہیں پوچھا تھا انہوں نے تو یہ پوچھا تھا، کہ آپ اس سکتہ میں کیا پڑھتے ہیں اس کے جواب میں آپ نے فرمایا

اللهم باعد بيني وبين خطا يا ى ......الخ

اگر وہ پوچھتے کہ آپ ﷺ سکتہ کیوں کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہوسکتا تھا کہ میں اس لئے کرتا ہوں کہ مقتدی سورۃ الفاتحہ پڑھ لیں۔ لیکن نہ ابو ہریرہؓ نے پوچھا اور نہ آپ ﷺ نے یہ جواب دیا لہذا اس حدیث میں صدیق رضا صاحب کے لئے کوئی دلیل نہیں اور اسے سکتہ میں سورۃ الفاتحہ نہ پڑھنے کی دلیل کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ تو اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ یہ پہلا سکتہ مقتدی کی سورۃ الفاتحہ کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے:

للامام سكتتان فاغتنموا القرأة فيهما بفاتحة الكتاب

(جزء القراءۃ للبخاری ص ۶۳ وسندہ حسن)

ترجمہ: امام کے دو سکتے ہوتے ہیں ان دو سکتوں میں سورۃ الفاتحہ کی قراءت کو لوٹ لو۔

لہذا حضرت ابو ہریرہؓ کا سوال رسول اللہ ﷺ کے سکتہ کی وجہ معلوم کرنے کیلئے نہیں تھا بلکہ یہ پوچھنا مقصد تھا کہ آپ ﷺ اس سکتہ میں کون سی دعا پڑھتے ہیں اور اسی بات کا جواب حدیث مذکور میں ملتا ہے۔ الحمد للہ۔

اس مسئلہ کی وضاحت ارشادالحق اثری صاحب اہلحدیث نے یوں فرمائی:

"شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:

والدعاء الذی روی ابوهریرة فی هذا السکوت یمکن فیه قراءة الفاتحه فکیف اذا قرأ بعضها فی سکتة وبعضها فی سکتة اخری.

(مجموع الفتاویٰ ۲۳/ ۳۱۳)

یعنی جو دعائے استفتاح حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے جب امام وہ پڑھے تو اس کے سکوت میں فاتحہ پڑھی جانی ممکن ہے۔ پھر بعض حصہ سکتہ میں اور بعض حصہ دوسرے سکتہ میں بھی پڑھنا ناممکن کیوں ہے۔

ہماری ان گزارشات سے واضح ہو جاتا ہے کہ سکتات امام میں سورت فاتحہ پڑھنا اکثر اہل علم سے ثابت ہے۔" (توضیح الکلام فی وجوب القرأۃ خلف الامام ص ۵۹۰)

نوٹ: توضیح الکلام از ارشادالحق اثری پر مندرجہ ذیل کبار اہلحدیث کی تقریظات موجود ہیں:

۱۔ محب اللہ شاہ الراشدی پیر آف جھنڈا سندھ۔

۲۔ محمد علی جانباز سیالکوٹ۔

۳۔ محمد صدیق صاحب سرگودھا۔

۴۔ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب۔

اور تو اور فاضل مصنف کے استاد زبیر علی زئی صاحب اس سکتے کے بارے میں وضاحت فرماتے ہیں:

''امام بخاری آنے والی روایت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ثناء والے اس سکتہ میں مقتدیوں کو سورت فاتحہ پڑھ لینی چاہیئے۔ گویا یہ سکتہ امام کی ثناء اور مقتدیوں کی سورت فاتحہ کیلئے ہوتا ہے''۔ (نصر الباری ص 297)

یعنی صدیق رضا صاحب جماعت المسلمین اور سید مسعود احمد صاحبؒ کی عداوت میں اپنے ہی فرقہ کے بزرگان کی خلاف ورزی کر بیٹھے اور ساتھ ہی اپنے فہم کی وسعت کا اعتراف کر گئے۔

﴿کیا مسعود احمد صاحبؒ مسئلہ سکتات میں منفرد ہیں؟﴾

صدیق رضا صاحب نے اپنے کتابچے میں مختلف مقامات پر یہ تاثر دیا ہے کہ مقتدی کا امام کے دو سکتات میں ہی سورہ فاتحہ پڑھنا صرف مسعود احمد صاحب کا اپنا موقف ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

۱۔ مسعود صاحب نے اپنے اس کمزور ترین موقف پر سخت ترین شدت اختیار فرمائی۔ (ص ۶)

۲۔ رجسٹرڈ جماعت کے تمام افراد کا اسی خلاف حدیث مسئلہ پر عمل ہے۔ (ص ۱۱)

۳۔ رہا مسعود صاحب کا بیان کردہ مسئلہ تو وہ کسی صحیح یا حسن، مرفوع یا موقوف صحابیؓ سے

ثابت نہیں ہوتا۔ (ص ۱۴)

۴۔ موصوف کا یہ فرمان کہ ان دونوں حکموں (تلاوت کے وقت خاموش رہنا اور مقتدی کا سورہ فاتحہ لازمی پڑھنا) کا تقاضا ہے کہ امام کو کچھ ایسے سکتات کرنے چاہیئے ہیں جن میں مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ سکے تو یہ بات کوئی وقعت نہیں رکھی۔ (ص ۱۹)

۵۔ مسعود صاحب نے یہ خلاف حدیث فتویٰ دیا ہے۔ (ص ۱۹)

۶۔ جب حدیث میں نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ تقاضا خود ساختہ ہے اور **خود ساختہ باتوں کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں۔** (ص ۱۹)

۷۔ پھر مسعود صاحب اپنی مرضی کی وضاحت یا صورتحال اختیار کرنے کی وجہ سے شریعت سازی کے شرک کے مرتکب ثابت ہوتے ہیں۔ (ص ۲۰)

۸۔ حالانکہ وہ اور ان کی بنائی ہوئی جماعت کے دیگر افراد آج تک ایسی کوئی حدیث پیش نہیں کر سکتے۔ جس سے یہ بات معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتدیوں کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی کوئی خاص کیفیت سکھائی ہو۔ لہٰذا آپ ﷺ کی طرف اس طرح کی بات کی نسبت کرنا قطعاً درست نہیں۔ (ص ۳۷)

۹۔ ان کی جماعت کے لوگ تو ان کی تقلید میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی اس غلط فہمی کا برملا اعتراف کریں۔ (ص ۳۸)

۱۰۔ مسعود صاحب نے بھی اپنا سکتات کا مسئلہ خود گھڑا ہے۔ ان کے اپنے اصول پر ان کا

گھڑنا بھی شرک اور ان کی جماعت والوں کا اس مسئلے کو ماننا اور ان پر عمل کرنا بھی شرک۔

(ص۴۲) تلک عشرۃ کاملۃ

اور بھی تکلیف دہ اتہامات اس کتابچہ میں پڑھنے کو ملے لیکن کچھ ہی پیش کیے جا سکے۔ ان میں خاص طور پر اقتباس نمبر 6 کے خط کشیدہ الفاظ قابلِ غور ہیں کہ **خودساختہ باتوں کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں**۔ (ص۱۹) قارئین کرام! یہ ہی تو ہم کہتے آرہے ہیں کہ صدیق رضا صاحب ہم پر الزام تراشی کرنے سے قبل اپنے فرقہ ورانہ نام اہلِ حدیث کا ثبوت قرآن وحدیث سے دیں ورنہ وہ بھی یہ تسلیم کریں کہ یہ نام خودساختہ ہے اور اس نام کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں۔

صدیق رضا صاحب کا یہ طرزِ عمل ہمارے لئے اس آیت قرآنی کی صداقت کا عملی ثبوت ہیں جو اللہ عزوجل نے اپنے کلام مجید میں نازل فرمائی۔

وما تفرقوا الا من بعد ما جاء هم العلم بغيا بينهم ولولا كلمة سبقت من ربك الى اجل مسمى لقضى بينهم وان الذين اورثوا الكتاب من بعدهم لفى شك منه مريب ٥ (سورہ شوری آیت ۱۴)

ترجمہ: اور انہوں نے افتراق نہیں کیا مگر اس وقت جبکہ ان کے پاس علم آچکا تھا۔ (اختلاف کی وجہ) آپس کی ضد وہٹ دھرمی تھی اور اگر آپ کے رب کی طرف سے وقت مقرر نہ ہوتا تو ان کے درمیان کب کا فیصلہ کردیا جاتا اور بیشک جو لوگ انکے بعد کتاب کے وارث

بنائے گئے وہ کتاب کے معاملے میں شک میں ہی مبتلا رہے۔

سبحان اللہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ آیت آج کے فرقہ پرستوں کے لئے نازل ہوئی ہو لیکن پھر بھی ان کے دل ہیں کہ دہلتے نہیں اور جماعت المسلمین کی مخالفت میں کس قدر ضد و ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرر ہے ہیں۔ اللہ ہی ہمارا ملجاو ماویٰ ہے۔

صدیق رضا صاحب! کیا آپ یہ فتاویٰ صدیقیہ ان تمام محدثینؒ اور ائمہؒ پر بھی لگانے کی جسارت کرینگے جنہوں نے مقتدی کے سکتات کے دوران سورہ فاتحہ کی تلاوت کو درست قرار دیا ہے؟ اگر انصاف سے کام لیں تو آپ کے فتاوی کی زد میں امام بخاریؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ، امام بیہقیؒ، امام ترمذیؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ۔ حضرت ابوسلمہؒ، حضرت میمون بن مہرانؒ، حضرت عطاءؒ بھی آجائیں گے۔ بلکہ بقول امام ترمذیؒ کے تمام ائمہؒ اور محدثینؒ آپ کے ان فتاویٰ کی زد میں آجائیں گے کیونکہ امام ترمذیؒ نے یہاں تک فرمادیا:

واختار اصحاب الحدیث ان لا یقر الرجل اذا جھر الامام بالقرأۃ وقالوا یتبع (وفی نسخۃ اخری یتتبع) سکتات الامام (ترمذی ابواب الصلاۃ باب ما جاء فی ترک القرأۃ خلف الامام 1/101)

ترجمہ: محدثین نے اسی بات کو اختیار کیا ہے کہ جب امام بلند آواز سے قراءت کرے تو مقتدی کچھ نہ پڑھے۔ محدثین کہتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتات کی متابعت کرے۔

بعینہ یہی موقف سید مسعود احمد صاحبؒ کا ہے تو جو فتاویٰ آپ نے ان کی دشمنی میں جماعت

المسلمین پر داغ دیئے کیا ایسے قبیح الفاظ دیگر محدثینؒ وائمہ کرامؒ پر بھی چسپاں کریں گے؟ یاد رکھیئے کہ بات صرف یہی تک نہیں رکتی، کیونکہ ان فتاویٰ کی زد میں ابو ہریرہؓ بھی آجائینگے۔

کیونکہ آپ فرماتے ہیں:

للامام سکتتان فاغتنمو القراء ۃ فیھما بفاتحۃ الکتاب

(جزءالقراءۃ للبخاری ص ۶۳ وسندہ حسن)

ترجمہ: امام کے دو سکتے ہوتے ہیں۔ ان کو سورہ فاتحہ کی قراءت کے لئے لوٹ لو۔

ناصر الدین البانی صاحب نے بھی اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ (سلسلۃ الا حادیث الضعیفہ والموضوعہ 2/24 ح ۵۴۶)

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ابو ہریرہؓ بذات خود سکتتین کی حدیث سے نہ صرف آشنا تھے بلکہ اس کی تعلیم بھی دیتے تھے اور وہ ان سکتات کا مقصد بھی جانتے تھے کہ سکتات سانس لینے کے لئے نہیں تھے بلکہ مقتدی کی قراءت فاتحہ کے لئے تھے۔ کیا صدیق رضا صاحب اب بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ مسعود صاحب کا خود ساختہ اور خلاف حدیث ہے؟ اگر ہاں تو پھر حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں کیا کہا جائے۔

یہاں ہم صدیق رضا صاحب کی ہی لفاظی سے بھرپور عبارت سے اُن کو خود ہی سبق حاصل کرنے کی دعوت دینگے۔

''ایک طرف صدیق رضا صاحب کے یہ سخت فتوے ہیں اور ایک طرف یہ ائمہ وصحابہ۔ قلم

اس سے قاصر ہے کہ صدیق رضا صاحب کے ان سخت فتوؤں کا نتیجہ بیان کرے۔

۔۔۔لیکن حق بات اس چیز کی زیادہ حقدار ہے کہ اسے بیان کیا جائے۔۔۔۔استغفر اللہ

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

فللقرأۃ المأموم فاتحۃ الکتاب فی سکتۃ الامام شواھد صحیحۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۵۵)

ترجمہ: مقتدی کا امام کے سکتہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا صحیح شواہد سے ثابت ہے جن میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند شامل ہے۔

نوٹ: عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند حسن یا صحیح ہوتی ہے (دیکھئے الکواکب الدریہ ص ۳۵، مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۸ ص ۸، تہذیب السنن لابن القیم ج ۶ ص ۳۷۴، الترغیب والترہیب ۴/ ۵۷۶، نصب الرایہ ۱/ ۵۸، نصر الباری زبیر علی زئی ص ۵۶)

قارئین کرام! ان شواہد صحیحہ میں سے ایک روایت یہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں:

انھم کانو یقرؤن خلف رسول اللہ ﷺ اذا انصت فاذا قرأ لم یقرء و اواذا انصت قرء وا۔ (رواہ البیہقی فی کتاب القراءۃ ص ۶۹ وصححہ ص ۵۵)

ترجمہ: صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اس وقت پڑھتے تھے جب آپ ﷺ خاموش رہتے، پھر جب آپ ﷺ پڑھتے تو صحابہؓ کچھ نہیں پڑھتے تھے اور جب آپ خاموش ہو جاتے تو پھر

پڑھتے تھے۔

امام بیہقی کے مطابق یہ روایت صحیح ہے، البانی صاحب نے اسے بالفرض صحیح تسلیم کرنے کے بعد موقوف کہہ کر ٹال دیا۔ (سلسلہ الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ ص ۴۲۰/۲) یہ روایت موقوف نہیں ہے اتنا تو صدیق رضا صاحب کو بھی تسلیم ہوگا کہ کیونکہ قراءت فاتحہ تو صحابہ کرام کا طرز عمل تھا لیکن سکتات کرنا تو محمد ﷺ کی سنت ہے پھر اسے موقوف کہنا عجیب بات ہے، **البانی صاحب کو مسکت جواب دیتے ہوئے محترم مسعود احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:**

''تعجب ہے صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے پیچھے رسول اللہ ﷺ کے سکتوں میں قراءت کرتے تھے لیکن البانی صاحب کے نزدیک صحابہ کرام کا یہ فعل جو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں آپ کی امامت میں کیا جارہا تھا حجت نہیں افسوس! کیا اس پر کم از کم تقریری مرفوع حدیث کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اگر صحابہ کرام کا پڑھنا ناجائز تھا تو رسول اللہ ﷺ نے منع کیوں نہیں فرمایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو خبر نہیں ہوئی تو یہ انتہائی لغو ہے۔ اچھا اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر نہیں ہوئی تو کیا اللہ عالم الغیب کو بھی خبر نہیں ہوئی۔

تعجب ہے کہ صحابہ کرام کا فعل جو رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کیا جارہا ہے نہ مرفوع ہے اور نہ حجت۔ کتنی لغو بات ہے جو کی جارہی ہے۔ افسوس!'' (امام کے دو سکتے ص:۱۹)

بہر حال یہ روایت اہلحدیث علماء کے نزدیک بھی قابل احتجاج ہے۔ دیکھئے توضیح الکلام ۱/۴۸۰۔ تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔

قارئین کرام! یہ واضح ہو چکا کہ صحابہ کرامؓ جو کہ جماعت المسلمین اولین تھے وہ اپنے امام یعنی امام الانبیاء محمد ﷺ کی اقتداء میں جب نماز پڑھتے تھے تو آپ کی قراءت سے پہلے سورہ فاتحہ پڑھ لیتے۔ پھر جب آپ قراءت کرتے تو صحابہ کرام خاموش ہو جاتے پھر آپ کی قراءت کے اختتام پر آپ کے سکتہ میں تمام صحابہ کرام سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

کیا صحابہ کرامؓ اپنی مرضی سے ان سکتات میں سورۃ الفاتحہ پڑھتے تھے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کی موجودگی اور آمد وحی کے باوجود انہیں اس عمل پر ٹوکا نہیں گیا؟ کیا اب بھی صدیق رضا صاحب یہ کہیں گے کہ مسئلہ سکتات مسعود صاحبؒ کا خود ساختہ ہے؟

صدیق رضا صاحب کے الفاظ جو صفحات نمبر ۳۸ تا ۳۹ پر پیش کئے گئے اُن کو ان فتاوی کی روشنی میں پڑھئے اور بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ شریعت سازی، شرک، اور خود ساختہ مسئلہ سکتات کا الزام کہاں تک جا رہا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔افسوس کہ صدیق رضا صاحب نے مسلمین کی دشمنی میں صحابہ کرامؓ اور نبی آخر الزماں محمد ﷺ کی شان میں اتنی زبردست گستاخی کردی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

﴿زبیر علی زئی صاحب صدیق رضا صاحب کے فتوی کی زد میں﴾

اور اگر ان بابرکت ہستیوں پر فتوی لگا دینا صدیق رضا صاحب کے لئے معمول کی حیثیت

رکھتا ہے تو کم از کم اُن کو اپنے اُستاد زبیر علی صاحب کا تو خیال کرنا چاہیئے تھا۔ زبیر صاحب لکھتے ہیں:

''اثر سابق کی رو سے ان دونوں سکتوں میں سورہ فاتحہ پڑھ لینی چاہیئے''۔ (نصر الباری صفحات ۲۹۳،۲۹۴)

لیجئے تحسبھم جمیعا و قلوبھم شتی (یہ بظاہر تو متحد لگتے ہیں لیکن ان کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہیں) کی تازہ مثال آپ کے سامنے ہے۔ اب یا تو صدیق رضا صاحب اپنے فتاوی سے رجوع کریں یا پھر زبیر علی صاحب سے بیزاری کا اعلان کریں۔

﴿ارشاد الحق اثری صاحب صدیق رضا صاحب کے فتوی کی زد میں﴾

اثری صاحب رقمطراز ہیں:

''ہماری ان گزارشات سے آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت سعیدؒ کا یہ اثر صحیح ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے اور اس پر اعتراض دراصل تعصب یا لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ سعیدؒ بن جبیر اس میں صحابہؓ کا معمول بتلاتے ہیں کہ وہ جہری کے سکتات میں پڑھتے تھے۔'' (توضیح الکلام ۱/۴۸۶)

﴿حافظ محمد گوندلوی صاحب صدیق رضا صاحب کے فتوی کی زد میں﴾

گوندلوی صاحب جنہیں اہلحدیث علماء میں استاذ الاساتذہ مانا جاتا ہے فرماتے ہیں:

''سکتات اور سری نمازوں میں پڑھنا اکثر اہل علم کا قول ہے ۔۔۔۔ جمہور

صحابہؓ وتابعینؒ قراءت خلف الامام کے قائل ہیں۔ اور مندرجہ ذیل صحابہؓ وتابعینؒ سری نمازوں اور جہری کے سکتات میں قراءت کے قائل تھے۔

عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، سعید بن میسّبؒ، سعید بن جبیرؒ، حسن بصریؒ، قاسم بن محمدؒ، نافع بن جبیرؒ، حکمؒ، زہریؒ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ اور عروہ بن زبیرؒ، امام احمد بن حنبلؒ بھی سکتات میں قرات خلف الامام کے قائل ہیں۔" (خیر الکلام فی وجوب الفاتحہ خلف الامام ص ٣٠، ٣١)

مزید لکھتے ہیں:

"پس امام احمد بن حنبلؒ سے جہری نمازوں میں مقتدی کو قراءت خلف الامام سے روکنے کی جو روایت آتی ہے اس کا مطلب یہ لینا چاہئے کہ امام کے ساتھ ساتھ نہ پڑھے۔ بلکہ سکتات میں پڑھے۔" (خیر الکلام ص ٣٢)

اگر غیرتِ ایمانی موجود ہے تو صدیق رضا صاحب کو چاہئے کہ اپنی اس گستاخانہ تحریر سے تائب ہو کر اس کی اشاعت کو کالعدم قرار دیں ورنہ فرقہ اہلحدیث کے علماء ہی کو اس تحریر سے تبرّا کرنا پڑے گا۔

﴿ابو الصلت کی روایت﴾

اگر چہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ والی روایت جو صفحہ نمبر ٤٣ پر نقل کی گئی ہے اسے نامور علمائے اہلحدیث نے درست تسلیم کیا ہے، تاہم صدیق رضا صاحب اس روایت کو ماننے پر

راضی نہیں ہو رہے اور اس کی سند کے ایک راوی ابو الصلت الھروی پر سخت جرح نقل کرتے ہیں۔ ابو الصلت الھروی پر ائمہ نے جرح کی ہے لیکن امام بیہقیؒ نے اس روایت کو شواہد صحیحہ میں شامل کر کے اس بات کی طرف اشارہ دیا ہے کہ جو روایت مستدل کے طور پر پیش کی گئی ہے وہ سنداً صحیح ہے لیکن یہ روایت بھی شاہد کے لحاظ سے بیان کی جا سکتی ہے۔ پھر بھی صدیق رضا صاحب نے اپنے کتابچہ کا چوتھائی حصہ ابو الصلت کے نام کر دیا۔ معلوم نہیں اتنے اوراق سیاہ کر کے وہ کس کو فنِ حدیث سکھانا چاہ رہے ہیں۔

اپنے فرقہ پرست ساتھیوں کو تو وہ اس طویل بحثِ عبث سے مرعوب کر سکتے ہونگے لیکن الحمدللہ مسلمین اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ ابو الصلت والی روایت پر اس قدر طویل بحث کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے کیونکہ اسے شواہد میں پیش کیا گیا ہے نہ کہ مستدل کے طور پر۔ پھر امام بیہقی کا اس روایت کو صحیح بتانا گویا صدیق رضا صاحب کی تمام کاروائی پر پانی پھیر دیتا ہے۔ پھر بھی ہم ابو الصلت پر کی گئی جرح کا مختصر تجزیہ قارئین کی تسلی کے لئے پیش کر دیتے ہیں۔

ابو الصلت الھروی پر تشیع کی تہمت لغو ہے۔ **کیا کسی شخص کا حضرت علیؓ کی فضیلت بیان کرنا اس کو رافضی شیعہ بنا دیتا ہے؟** اس طرح سے تو تمام احادیث کی کتب اور ائمہ ومحدثین پر یہ الزام عائد کیا جا سکے گا۔ کیونکہ حضرت علیؓ کے فضائل پر محدثین نے مستقل باب باندھ کر اپنی کتب کو مزین کیا ہے۔ بلکہ امام نسائیؒ جن کی طرف بعض ائمہ نے تشیع کا انتساب کیا

ہے انہوں نے تو حضرت علیؓ کے مناقب وفضائل پر "خصائص الامام علی" کے نام سے مکمل کتاب مرتب کی ہے۔تو کیا امام نسائیؒ کی کتاب کو صحاح ستہ یا سنن اربعہ سے خارج قرار دیا جائے؟

شیعت کی تہمت کی حقیقت کیا ہے۔ابنِ حجرؒ کے الفاظ میں دیکھئے۔

فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علی علیٰ عثمان و ان علیًا کان مصیباً فی حروبه و ان مخالفه مخطی مع تقدیم الشیخین و تفضیلهما

(تھذیب التھذیب ترجمہ ابان بن تغلب الربعی ابوسعد الکوفی ۱/۹۴)

ترجمہ: متقدمین کے نزدیک تشیع (شیعت) سے مراد یہ عقیدہ ہے کہ علیؓ عثمانؓ سے افضل ہیں اور یہ کہ علیؓ اپنی جنگوں میں حق پر تھے اور ان کا مخالف خطا پر تھا اس عقیدہ کے ساتھ کہ ابو بکرؓ وعمرؓ بہر حال (علیؓ سے) مقدم اور افضل ہیں۔

الغرض اس نکتہ پر ابن حجرؒ نے ابو الصلت کی صفائی کر دی۔حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل کہنے والا اور انہیں جنگوں میں حق پر سمجھنے والا شیعہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ کو تمام صحابہ میں افضل ترین مانتا ہے اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ جانتا ہے۔جبکہ شیعہ فرقہ ان دونوں خلفاء کی شان میں زبردست گستاخی کا مرتکب ہے۔لہٰذا شیعت کا الزام کالعدم ہے۔

نوٹ:حضرت عثمانؓ اور علیؓ کے حالات اور ان کے دور میں پیش آنے والے واقعات وفتن

کے مکمل حالات جاننے کے لئے ہماری کتب صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین، واقعہ جمل اور افسانہ جمل اور واقعہ صفین اور افسانہ صفین کا مطالعہ کیجئے۔

ابو الصلت الھروی پر اتنی سخت تنقید کرنا دراصل دیانت داری کا تاثر دے کر جماعت المسلمین اور سید مسعود احمد صاحبؒ کے ساتھ اپنے شدید بغض کو تحریر میں لانے کا ایک بہانہ تھا ورنہ ایسے راویوں سے تو خود اہل حدیث علماء نے متعدد احادیث قبول کر کے اپنی کتب میں شامل کی ہیں۔ان تناقضات کی تفصیلات بھی مناسب مقام اور وقت پر پیش کی جائینگی۔ انشاءاللہ۔

﴿ابو الصلت کی توثیق﴾

امام حاکمؒ فرماتے ہیں۔

وابو الصلت ثقة مامون فانی سمعت اباالعباس محمد بن یعقوب فی التاریخ یقول سمعت العباس بن محمد الدوری یقول سالت یحییٰ بن معین عن ابی الصلت الھروی فقال ثقة فقلت الیس قدحدث عن ابی معاویة عن الاعمش انا مدینة العلم فقال قد حدث به محمد بن جعفر الفیدی وھو ثقة مامون (مستدرک حاکم ۹۶/۲)

ترجمہ: ابو الصلت ثقہ ہے مامون ہے۔میں نے ابوالعباس محمد بن یعقوب سے سنا وہ کہتے ہیں کہ عباس بن محمد الدوری نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معین سے ابو الصلت

الھر وی کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے مامون ہے۔میں نے کہا کہ کیا اس نے عن ابی معاویہ عن اعمش کی سند سے انامدینته العلم کی حدیث بیان نہیں کی؟ ابن معین نے فرمایا یہ حدیث تو محمد بن جعفر الفید ی نے بیان کی ہے۔

لہذا ابو الصلت کو رافضی کہنا بے بنیاد اور غلط ہے۔ہم نے شواہد کی بنیاد پر اس سے حجت لی ہے مگر جب یہ منفرد روایت کرے گا تو پھر اس سے احتجاج نہیں لیا جائے گا۔

مزید برآں علامہ ذھبی میزان الاعتدال میں احمد بن یسار کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ یہ شیعت سے پہچانا جاتا ہے لیکن وہ ابو بکرؓ اور عمرؓ کو مقدم رکھتا ہے اور صحابہؓ کا ذکر بڑے ہی عمدہ انداز میں کرتا ہے (۶۱۶/۲)۔

امام ابن عدی نے ابو الصلت پر منکر احادیث بیان کرنے کا جو الزام لگایا ہے وہ صرف ان احادیث کی حد تک ہے جو اس نے اہل بیت کے فضائل میں بیان کی ہیں۔لہذا اس توثیق کے بعد ابو الصلت کی روایت کو شواہد کی بنیاد پر پیش کرنا کوئی قابل گرفت غلطی نہ رہی۔محض ضد کی وجہ سے اگر کوئی ان روایات کو تسلیم نہ کرے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔اس روایت کو ارشاد الحق اثری صاحب اہلحدیث نے بھی قابل احتجاج بتایا ہے حالانکہ اس میں یہی راوی ابو الصلت موجود ہے۔لکھتے ہیں:

''بلکہ عبداللہ بن عمروؓ تو صحابہ کرامؓ کا عمومی عمل بتلاتے ہیں کہ وہ سری کے علاوہ جہری رکعتوں میں بھی سکتات امام کی رعایت کرتے ہوئے سورۃ الفاتحہ پڑھتے تھے'' (توضیح

الکلام ۱/۴۸۰) مزید لکھتے ہیں: ''یہ اثر سند کے اعتبار سے حسن سے کسی صورت کم نہیں''
(توضیح الکلام ۲/۱۳۱)

ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دینا لازم ہے کہ جس مناظرے کا ذکر صدیق رضا صاحب نے اپنے کتابچے کے صفحہ نمبر 35 پر کیا ہے اور اس کی آڑ میں امام جماعت المسلمین جناب محمد اشتیاق صاحب پر بے جا تنقید کی ہے تو عرض ہے کہ یہ مناظرہ یقیناً احمد بن یسار اور ابو الصلت کے درمیان ہی ہوا تھا۔ اگر اس بات کی وضاحت کسی وجہ سے رہ گئی تو ہم سمجھتے ہیں کہ عقل مند کیلئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔

﴿کیا شواہد کے طور پر مجروح راوی کی روایت کو لینا واقعتاً جرم ہے؟﴾

صدیق رضا صاحب سے ہمارا مطالبہ کہ وہ اس سوال کا جواب دے کر ہمیں شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، ورنہ ہم ثابت کرتے ہیں کہ شواہد کے طور پر مجروح راویوں سے بھی روایات لی گئی ہیں۔

شواہد و متابعات اگر چہ سنداً قوی نہ ہوں انہیں قبول کیا جاتا ہے۔

غلام احمد حریری صاحب ڈاکٹر صبحی صالح کی کتاب اختصار علوم الحدیث کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

''جو احادیث اصل کی حیثیت رکھتی ہیں محدثین ان میں جس حد تک تشدد سے کام لیتے ہیں شواہد و متابعات میں اتنی سختی نہیں کرتے۔ چنانچہ شواہد و متابعات میں اگر کسی قدر ضعف بھی

پایا جاتا ہو تو اس کو گوارہ کرتے ہیں مگر اصل روایات میں اس کو نا قابل برداشت تصور کرتے ہیں۔ بلکہ ایسا ضعف صحیحین کے متابعات وشواہد میں بھی موجود ہے۔''

(علوم الحدیث ص ۳۱۴)

بلکہ امام ترمذیؒ نے ایک روایت جس کی سند کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف المزنی عن ابیہ عن جدہٖ سے آئی ہے اس پر صحیح کا حکم لگایا ہے۔

(ترمذی، ابواب الاحکام)

اس حدیث کا راوی کثیر بن عبداللہ بہت ضعیف ہے۔ امام احمدؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے اور اس سے روایت لینے سے منع فرمایا، امام شافعیؒ اور امام ابو داؤدؒ نے اسے کذاب کہا ہے، امام ابو ذرعہؒ نے واھی الحدیث کہا ہے، امام نسائی اور دارقطنی نے اسے متروک الحدیث کہا ہے، امام ابن حبانؒ کہتے ہیں وہ اپنے باپ اور دادا سے موضوع نسخہ روایت کرتا ہے، امام علی بن مدینی نے اسے ضعیف کہا اور امام حاکمؒ کہتے ہیں کہ وہ اپنے باپ اور دادا سے ایک نسخہ روایت کرتا ہے جس میں منکر روایات ہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں اسکے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ وغیرہ وغیرہ الغرض یہ حدیث ایسے راوی نے بیان کی ہے جو کذاب ہے اور موضوع اور منکر حدیثیں بیان کرتا ہے اسکے باوجود امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ کیا ہم فاضل مصنف سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ ''ایسے کذاب اور وضاع راوی کی روایت کو صحیح کہنا کتنی بڑی جرأت اور حوصلے کی بات ہے؟'' سید مسعود احمد صاحبؒ کے مبلغ علم

کے متعلق تو آپ نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ اب امام ترمذیؒ کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے؟

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس بحث سے بتانا یہ مقصود ہے کہ فن حدیث بڑا ہی دقیق فن ہے اور روات کی جرح وتعدیل اور روایات کی تصحیح وتضعیف کے بارے میں ائمہ کے اندر اختلافات رہے ہیں۔ اگر چہ بیشتر احادیث کی تصحیح یا تضعیف میں ائمہ کا اتفاق ہے لیکن کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جن کو ایک امام نے صحیح کہا دوسرے نے ضعیف کہا ہے یہی راویوں کا حال ہے کہ بیشتر راویوں کی جرح یا تعدیل میں ائمہ متفق ہیں لیکن کچھ راوی ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف یا احادیث کی تصحیح وتضعیف میں غلطی کرنا کوئی ایسی علت قادحہ نہیں جس سے کسی عالم یا کسی محدث امام کی جلالت علمی یا علوِ مرتبت میں کوئی فرق آتا ہو۔ لیکن اگر ان فیصلوں کی بنا پر ہم نے لوگوں کے "مبلغ علم" کو ناپنا شروع کر دیا تو پھر ہماری دست درازی اور زبان درازی سے کون محفوظ رہ سکے گا؟

علامہ قلیدی امام ترمذیؒ کے متعلق لکھتے ہیں **ان ابا عیسیٰ رجل حافظ و امام مجتہد لہ الید الطولیٰ فی علم الحدیث ولہ اختیارات فی الجرح والتعدیل والمجتہد قد یخطئی ویصیب فلقد صحح احادیث لا قوام تنحط درجاتھم عن رتبۃ الصحیح بل الحسن، کما حسن وضعف احادیث اخریٰ منحا لفافی ذلک بعض ائمۃ الحدیث**

فلیس ذلک بضائر له ولا هو بمانع الاعتماد علیه علیٰ ان الخطا لا یخلو منه بشر ولو بلغ النهایته فی الاتقان بل والکمال البشری

(تہذیب الترمذی ج۱،ص۱۶، ۱۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ حافظ اور امام مجتہد تھے۔ علم حدیث میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا اور جرح و تعدیل میں ان کے اپنے اختیارات تھے اور مجتہد سے غلطی بھی ہوتی ہے اور اس کی بات صحیح بھی ہوتی ہے۔ پس امام ترمذی نے ایسی احادیث کو صحیح کہہ دیا ہے جن کا درجہ صحیح بلکہ حسن سے بھی کم تر ہے اور اسی طرح انہوں نے بعض احادیث پر ائمہ حدیث کے خلاف جاتے ہوئے حسن یا ضعیف کا حکم لگایا ہے۔ لیکن اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور نہ یہ بات ان پر اعتماد کرنے سے مانع ہوسکتی ہے۔ خطا سے تو کوئی بشر خالی نہیں خواہ وہ اتقان بلکہ کمال بشری کی انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔

محمد ناصر الدین البانی صاحب کی تحقیقات میں بھی یہ بات جا بجا نظر آتی ہے۔ یہاں ایک ہی مثال پیش کرنا کفایت کرے گا۔ امام بیہقیؒ نے غسلِ میت کے سلسلے میں ایک روایت کو ضعیف کہا۔ البانی صاحب بھی اس کی سند کے ضعف کو تسلیم کرنے کے بعد اسے شواہد کی بنیاد پر صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ دیکھئے التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیه ج۱ص ۴۳۰۔

پھر جناب زبیر علی زئی صاحب کی تحقیقات تو ان مثالوں سے بھرپور نظر آتی ہے جن میں

سے چند کا یہاں حوالہ دیا جاتا ہے۔

۱۔ نور العینین مارچ 2004 ص 148 اور 194۔

۲۔ جزء رفع الیدین اگست 2004 ص 49,70,76,79,107۔

۳۔ نصر الباری اپریل 2005 ص 97,117,137,138, 159,172,180,242, 263,273,274,277, 278,286,292

﴿المثنیٰ بن الصباح اور ابن لهیعه کی روایت﴾

جہاں تک معاملہ سکتات میں قراءت کرنے کے موضوع پر صلوۃ المسلمین ص ۳۴۰ پر پیش کی گئی مرفوع روایات کا ہے جن کی سند میں عمرو بن شعیب سے روایت کرنے والے راوی مثنیٰ بن الصباح اور ابن لہیعہ ہیں ۔ ان دونوں روایات کو پیش کرنے سے پہلے مسعود احمد صاحبؒ یہ الفاظ تحریر فرما چکے تھے:

''تاہم بطور شواہد کے ہم اس مسئلہ کے متعلق مزید احادیث و آثار ذیل میں درج کر رہے ہیں۔'' (صلوۃ المسلمین ص ۳۳۹)

پھر بھی صدیق رضا صاحب امام جماعت المسلمین کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس طرح ایک ایسی بات کو دین باور کروایا گیا جو کہ دین میں قطعاً شامل نہیں

اوران کے خطرناک متشددانہ اور متعصبانہ اصولوں کے مطابق یہ طرز عمل تحریف فی الدین، شریعت سازی اور شرک الحکم سے کسی طرح کم نہیں۔'' (ص۴۲)

یہاں ہم صدیق رضا صاحب سے انصاف کی توقع رکھتے ہوئے ایک فیصلہ چاہتے ہیں اگرچہ ان سے یہ توقع رکھنا بہت بعید ہے۔اہلحدیث فرقہ کے نام ور عالم خطیب الہند محمد جونا گڑھی صاحب اسی مرفوع روایت کی بابت فرماتے ہیں:

''ان رسول اللہ ﷺ قال فی خطبتہ من صلی صلوۃ مکتوبہ مع الا مام فلیقر ابفاتحتہ الکتاب فی سکتاتہ (جزءالقراءۃ للبیہقی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: جوشخص امام کے ساتھ فرض نماز پڑھے وہ امام کے سکتوں میں سورۃ الفاتحہ پڑھ لے۔

ہاں مسلمانوں! اللہ کے رسول ﷺ کے اس خطبے کی عزت کرو۔آپ کے حکم کی تعمیل کرواور امام کے پیچھے الحمد ضرور پڑھ لیا کرو ورنہ نماز نہ ہوگی۔یہ عذر کام نہ آوے گا کہ فلاں مذہب میں ممانعت تھی۔'' (خطبات محمدی ج ۲،ص ۳۴۹)

<u>تبصرہ:</u> اگر مسعود احمد صاحب ؒ آپ کی عدالت میں اس مرفوع روایت کو نقل کرنے کی وجہ سے تحریف فی الدین، شریعت سازی اور شرک فی الحکم کے مجرم ٹھہرے ہیں تو محمد جونا گڑھی صاحب کے بارے میں آپ کی عدالت سے اسی فرد جرم کے عائد کرنے کی امید رکھی جائے؟ **ذلک رجع بعید!!**

جہاں تک معاملہ مثنیٰ بن الصباح اور ابن لہیعہ کی روایت کا ہے تو ان کے بارے میں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

محمد بن عبد اللّٰہ بن عبید وان کان غیر محتج به وکذلک بعض من تقدم ممن رواه عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده فلقرأة المأموم فاتحة الکتاب فی سکتة الامام شواهد صحیحة عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده خبرا عن فعلهم.. الخ (کتاب القراءۃ ص ۵۵)

ترجمہ: اگر چہ محمد بن عبداللہ بن عمیر سے حجت نہیں لی جاتی اور اسی طرح بعض ان راویوں سے جنہوں نے عمرو بن شعیب سے روایت کی ہے جن کا حال پہلے گذر چکا ہے حجت نہیں لی جاتی لیکن امام کے سکتہ میں مقتدی کے سورہ فاتحہ پڑھنے کے صحیح شواہد عمر بن شعیب کی روایت سے موجود ہیں۔

امام بیہقی کی مندرجہ بالا وضاحت کو پیش کرتے ہوئے جناب ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

''کہ محمدؒ بن عبداللہ بن عبید اور دوسرے جو عمرؓو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں (یعنی مثنیٰ بن الصباح اور ابن لہیعہ) وہ اگر چہ قابل احتجاج نہیں مگر عمروؒ بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے صحابہؓ کا صحیح سند سے عمل اس کا شاہد ہے۔ حبیب الرحمٰن الاعظمی حنفی لکھتے ہیں کہ:

اخرج هق (ای البیهقی) فی کتاب القرأة (ص ۶۹) من طریق عبید

اللہ بن عمر عن عمر و بن شعیب ما یقرب من ھذا ...الخ (حاشیۃ المصنف ج ۲، ص ۱۳۳)

ترجمہ: کہ امام بیہقیؒ نے کتاب القراءۃ میں عبیداللہؒ بن عمر عن عمروؓ بن شعیب کے طریق سے جو روایت ذکر کی ہے وہ اس (محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ اور المثنی وغیرہ) کی روایت کے قریب ہے۔

<u>لہٰذا ان کی مرفوع روایات سے بالکل صرف نظر اصولاً صحیح نہیں۔</u>" (توضیح الکلام ص ۵۸۱)

پھر کچھ عرصے بعد اثری صاحب نے توضیح الکلام پر کیے گئے اعتراضات کے جواب میں ایک کتاب بنام "تنقیح الکلام فی تایید توضیح الکلام" لکھی۔

اس کتاب کے صفحات 355 اور 356 پر لکھتے ہیں:

"المثنی بن صباح گو ضعیف ہے مگر متروک نہیں۔ اگر چہ بعض نے متروک بھی کہا ہے۔ تاہم حافظ ابن حجر کا یہی فیصلہ ہے کہ وہ ضعیف اور مختلط ہے۔ (تقریب ص ۴۸۲) بلکہ ابن عدیؒ فرماتے ہیں: **لہ حدیث صالح عن عمرو بن شعیب** کہ اس کی عمرو بن شعیب سے حدیث صالح ہے۔ امام یحییٰ القطانؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے المثنی کی روایت عمرو بن شعیب سے ترک نہیں کی لیکن عطاء سے روایت میں اختلاط کی بنا پر چھوڑی ہے (التہذیب ۱۰/۳۶) اور یہ روایت بھی عمر بن شعیب ہی سے ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱۲/۴۲) میں مسند احمد کے حوالہ سے **عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده**

سے روایت ذکر کی ہے کفر باالله تبرؤ من نسب و ان دق اوراس پر سکوت کیا ہے اور یہ روایت مسند احمد (٢/٢١٥) میں المثنی بن صباح عن عمرو ہی سے مروی ہے۔ جس سے اس سند کے حوالے سے حافظ ابن حجرؒ کے رجحان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے (فتدبر) شیخ شاکر نے بھی اس کو حسن قرار دیا ہے تعلیق المسند نمبر ٧٠١٩ (١١/١٩٠)"۔

ناصر الدین البانی صاحب جن کی جرح پر صدیق رضا صاحب ناز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کیا یہ کوئی کم کارنامہ ہے کہ مسعود صاحب نے اپنی کتاب صلوٰۃ المسلمین پہلی بار 1398ھ بمطابق 1978ء کو شائع کروائی۔ اس کے صفحہ 317 پر یہ روایات نقل کی اور ص 318 پر انکا دفاع کرتے ہوئے انہیں ضعف سے پاک اور ثابت قرار دیا۔ لیکن تقریباً سولہ سال بعد جب علامہ البانی صاحب کی سلسلہ الاحادیث الضعیفہ کی علمی تحقیقات کو بغور پڑھا تو 1414ھ میں ان روایات کے ضعف کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے اور اپنے کتابچہ میں اس کا اعتراف بھی کرلیا کہ یہ تو ضعیف ہی ہیں۔" (ص ٤٥)

<u>تبصرہ:</u> شاید صدیق رضا صاحب کو یہ معلوم نہیں ہے کہ البانی صاحب ہی لکھتے ہیں:

"**فمثله يستشهد به ان شاء الله** کہ اس (المثنی) جیسے سے ان شاءاللہ استشہاد درست ہے۔" (سلسلته الاحاديث الصحيحه ٧/١١٨٥)

نیز علامہ سیوطیؒ نے جمع الجوامع (٧/٢٠٠، رقم ١٩٦٨٨) میں اسے حسن قرار دیا تھا۔

ارشاد الحق اثری صاحب مزید لکھتے ہیں:

''المثنی کی روایت جب قابل استشہاد ہے اور ابن لہیعہ اس کا متابع ہے۔تو یہ روایت مردود کیسے ہوئی؟۔۔۔۔۔خلاصہ کلام یہ کہ المثنی اور ابن لہیعہ کی یہ روایت حسن اور قابل اعتماد ہے ضعیف نہیں۔جیسا کہ علامہ البانی اور ان کی پیروی میں ڈیروی صاحب کہہ رہے ہیں۔'' (تنقیح الکلام ص ۳۵۶۔۳۵۷)

لہٰذا اگر انصاف شرط ہے تو پھر آپ کے اپنے ہی علماء کے قلم سے ہم نے بفضل اللہ یہ ثابت کر دیا کہ یہ مرفوع روایات جن سے مسعود احمد صاحبؒ نے استشہاد لیا ہے وہ درست ہیں۔ یا در ہے کہ ان روایات کو صلوٰۃ المسلمین میں شواہد کے طور پر پیش کیا گیا اور ساتھ ہی یہ تحریر کیا گیا تھا:

''ان دونوں سندوں میں سے پہلی سند میں عمرو بن شعیب سے روایت کرنے والے مثنی بن الصباح ہیں۔ دوسری سند میں عمرو بن شعیب سے روایت کرنے والے ابن لہیعہ ہیں۔مثنی بن الصباح اور ابن لہیعہ صرف ضعف حافظہ کی وجہ سے ضعیف مانے جاتے ہیں۔لیکن دونوں سچے ہیں۔ کیونکہ دونوں نے عمرو بن شعیب سے متفق طور پر ایک ہی بات بیان کی ہے لہٰذا بھول کا خدشہ کالعدم ہو گیا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں بھول کر ایک ہی بات کہیں، لہٰذا ضعف دور ہو گیا اور حدیث ثابت ہو گی''۔ (صلوٰۃ المسلمین ص ۳۴۰،۳۴۱)

یہی بات آپ کے اپنے عالم لکھیں تو تحقیق اور ہم لکھیں تو دھوکہ؟ ہماری گزارش دیگر اہلِ حدیث فرقے کے ماننے والوں سے صرف اتنی ہے:

ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نٰدمین ٥ (سورۃ الحجرات آیت ٦)

ترجمہ: اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی کے متعلق کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم پر چڑھائی کر دو اور حقیقت کے ظاہر ہونے پر تمہیں شرمندہ ہونے پڑے۔

﴿قولی و فعلی حدیث کی بحث﴾

اپنے کتابچہ کے صفحات 40 اور 41 پر فاضل مصنف نے قولی و فعلی حدیث کی بحث چھیڑ کر یہ تاثر دیا ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا وہ طریقہ جو مسعود احمد صاحبؒ نے اختیار کیا ہے وہ خود ان کے اپنے اصول کے خلاف ہے۔ شاید صدیق رضا صاحب مخالفت میں یہ بھی بھول گئے کہ امام کی قراءت کے دوران مقتدی کا خاموش رہنا اور قراءت نہ کرنا صرف فعلی احادیث سے ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کیلئے مندرجہ ذیل قولی حدیث بھی موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا قرأ فانصتوا (صحیح مسلم باب التشھد عن ابی موسیٰ الاشعری)

ترجمہ: جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔

اس حدیث کو جناب زبیر علی زئی صاحب نے نصر الباری صفحات نمبر 283 تا 286 پر صحیح بتایا ہے۔ لیکن فوائد میں تحریر فرماتے ہیں ''یہ روایت **اذا قرأ فانصتو** امنسوخ ہے

۔۔۔دلیل یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہؓ نے جہری نمازوں میں بھی سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم بعد وفات نبوی علیہ دے رکھا ہے۔“

جو روایت صحیح مسلم میں ہے اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ نہیں ہیں بلکہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ہیں لہذا یہ حکم تنسیخ ہی منسوخ ہے۔

اس اعتراض کا جواب اگر ہم اپنے الفاظ میں دیں گے تو شاید قبول کرنے والوں کو تردد ہو۔

لہذا اس کا جواب ہم امام بخاریؒ کے الفاظ میں دیتے ہیں:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال البخاری فاذا قرأفی سکتہ الامام لم یکن مخالفا لحدیث ابی خالد لانہ یقرء فی سکتات الامام فاذا قرأ انصت (کتاب القراءۃ، ص ۹۱)

ترجمہ: امام بخاری فرماتے ہیں کہ جب مقتدی امام کے سکتے میں پڑھے گا تو ابو خالد کی حدیث (جب امام پڑھے تو خاموش رہو) کا مخالف نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ تو امام کے سکتات میں پڑھ رہا ہے۔اور جب امام پڑھتا ہے تو مقتدی خاموش ہو جاتا ہے۔

الغرض ابو خالد کی حدیث کی مخالفت نہ کرنا امام بخاریؒ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ حدیث تسلیم کی گئی اسی وجہ سے اس کی مخالفت سے روکا گیا۔ اگر حدیث میں ضعف قطعی ہوتا تو امام بخاریؒ کو اس کی مخالفت کی ہرگز پرواہ نہ ہوتی۔ پھر امام مسلم نے اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے لہذا ہمارا کہا نہ مانئے، امام مسلم کی بات ہی مان لیجئے۔

قارئین کرام ! یہی تو تطبیق کی وہ صورت ہے جو مسعود احمد صاحبؒ نے پیش کی تھی لیکن اہل حدیث فرقہ کے علماء نے ’’حبِ علی نہیں بغضِ معاویہ ہے‘‘ کے بمصداق اسے مسعود صاحب کا انفرادی خیال کہہ کر مسترد کردیا انا للہ وانا الیہ راجعون .

﴿حدیث اذا قرء فانصتوا پر البانی صاحب کی تحقیق﴾

محمد ناصر الدین البانی صاحب نے بھی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وجعل الانصات لقراءة الامام من تمام الائتمام به فقال . انما جعل الامام ليوتم به فاذا كبر فكبروا، واذ اقراء فانصتوا. (ابن ابی شیبہ ا/ ۹۷/ ا وابوداؤد ومسلم وابوعوانۃ والرویانی فی مسندہ ۲۴/ ۱۱۹/ ا، وھو مخرج فی الارواء ۳۳۲، ۳۹۴)

ترجمہ: اور رسول اللہ ﷺ نے امام کی قراءت کے وقت مقتدی کا خاموش ہونا تکمیل اقتداء میں شامل کردیا اور فرمایا امام تو اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔

(صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ص ۷۱)

نوٹ: اذا قراء فانصتوا کے الفاظ صحیح ہے۔ امام مسلم نے انہیں صحیح کہا ہے۔ البانی صاحب اور پھر زبیر علی زئی صاحب نے بھی ان الفاظ کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ فللہ الحمد اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا قول بلکہ حکم موجود ہے جو مقتدیوں کے لئے ہے۔ کیا اب بھی یہ کہنا درست ہوگا کہ مسعود صاحبؒ نے قولی حدیث کو ترک کرکے فعلی حدیث کو ترجیح دی

ہے؟ لیکن بات یہ ہے کہ بغض وعداوت نے ان فرقہ پرست علماء کو دلوں کی بینائی سے محروم کر دیا ہے اور ان کو اپنے موقف کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

لہٰذا قرآن مجید کی آیت **واذ اقُرء القران فاستمعو الهٔ وانصتوا** (اور جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہا کرو اور غور سے سُنا کرو) اور مندرجہ بالا حکمی حدیث کی رو سے امام کی قراءت کے دوران مقتدی کی قرات منسوخ ہے۔ مقتدی سورۃ فاتحہ کو حاصل کرنے کیلئے امام کے سکتات میں یہ فرض پورا کرلے۔

﴿اعتراض برائے اعتراض﴾

بعض مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سکتتین کی حدیث اگرچہ سنداً صحیح ہے لیکن یہ رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے حکم نہیں ہے۔ حکم یہی ہے کہ امام کی قراءت کے دوران ہی سورۃ فاتحہ کو پڑھ لیا جائے۔

ازالہ: سکتتین کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے۔ رہا حکمی حدیث کا معاملہ تو اس پر مفصل بیان گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے، لیکن اگر فرقہ اہل حدیث کے علماء انصاف سے کام لیں تو اس کا جواب دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے اس لئے کہ جب کوئی حنفی یہ اعتراض رفع الیدین کی روایت پر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی حدیث ایسی پیش کرو جس میں رفع الیدین کا حکم ہو تو اہل حدیث علماء اسے اتباع رسول کی اہمیت بتاتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عمل کی پیروی لازم ہے اور جب بات بنتی نظر نہیں آتی تو کہا جاتا

ہے کہ حدیث نبوی ﷺ ہے:

صلو کما رایتمونی اصلی (صحیح بخاری کتاب الاذان)

ترجمہ: نماز اسی طرح سے پڑھو جس طرح سے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

یعنی جس طرح سے رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے اسی طرح نماز ادا کرنے کا حکم بھی آپ ہی نے دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ نے رفع الیدین کیا ہے اور اسی کے ساتھ نماز پڑھنا لازم ہے تا کہ **صلو کما رایتمونی اصلی** کے حکم پر عمل ہو جائے لہذا رفع الیدین کرنا حکماً حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

بعینہ یہی جواب مسئلہ سکتات پر بھی دیا جا سکتا ہے کہ سکتات کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے صحابہ نے آپ کو سکتات کرتے دیکھا ان سکتات میں صحابہ سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرتے تھے اور صحابہ میں سے جب کوئی امامت کرتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی میں سکتات کرتا اور یہ بات اس لئے تھی کہ **صلو کما رایتمونی اصلی** کے حکم پر عمل ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ سکتات کرنا بھی اسی طرح سے لازم ہے جس طرح سے رفع الیدین کرنا لازم ہے۔

رہا مسئلہ امام کی قرات کے دوران ہی قرات کرنے کا تو اس پر ہم مفصل بحث گذشتہ صفحات میں کر آئے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ لازمی پڑھنی ہے اور اس سے زائد کچھ نہیں پڑھنا ہے۔ سورۃ فاتحہ پڑھنی کب ہے یہ مسئلہ حدیث سکتات نے واضح کر دیا لہذا مخالفین سے گذارش ہے کہ

جس طرح سے رفع الیدین کے مسئلہ پر وہ اتباع رسول اللہ ﷺ پر زور دیتے ہیں بالکل اسی طرح سے اس سنت کی اہمیت پر بھی زور دیں تاکہ افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض (کیا تم کتاب کے بعض حصے پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصے کا انکار کر دیتے ہو) کے الزام سے محفوظ رہ سکیں۔

امام کے ساتھ ہی قراءت کرنا خلاف قرآن اور خلاف حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے ہی قول کے خلاف حکم نہیں دے سکتے۔ جس حدیث سے صدیق رضا صاحب نے امام کے ساتھ ہی قراءت کر لینے کا مفہوم اخذ کیا ہے اس حدیث میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ امام کے ساتھ ہی قراءت کرلو۔ مفصل بحث کیلئے دیکھئے عنوان ''اہلحدیث حضرات کی دلیلِ واحد''۔

﴿تناقضات اہلِ حدیث﴾

اہل حدیث فرقہ کے علماء جب جماعت المسلمین کی کتب سے کوئی قابل ذکر تحقیقی غلطی نہیں دکھا سکتے تو وہ فن حدیث کا سہارا لے کر عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسعود صاحب کی کتب میں تناقضات پائے جاتے ہیں جن کو وہ بد دیانتی اور خیانت جیسے سخت الزامات لگا کر مبالغہ آمیزی کی حد تک اچھالنے کی سعیٔ مذموم کرتے ہیں اس عنوان کے تحت ہم اہل حدیث علما کے چند تناقضات پیش کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن اس سے قبل ہم اپنے معزز قارئین کی خدمت میں ''نماز نبوی'' نامی کتاب کی علمی اور تحقیقی حیثیت

اور اس کے شائع کرنے والے علماء کے کچھ اخلاقی نمونے پیش کرنا چاہیں گے۔

کچھ عرصہ قبل مکتبہ دار السلام نے تقریباً دس علماء کے تعاون سے نماز کے موضوع پر ایک کتاب "**نماز نبوی**" شائع کی۔ اس کتاب میں نماز کی دوسری کتابوں کو "سطحی قسم کی عامیانہ کتابوں" کے لقب سے نوازا گیا اور اس کے بالمقابل اپنی کتاب کے متعلق دعویٰ کیا گیا کہ "اس میں صرف اور صرف صحیح احادیث کا التزام کرتے ہوئے ضعیف احادیث سے اجتناب کیا گیا ہے۔ احادیث کی تحقیق وتخریج معروف عالم دین حافظ زبیر علی زئی صاحب نے کی ہے۔ نیز کتاب پر نظر ثانی کا فریضہ ثقہ علماء کرام نے نہایت محنت اور نظر عمیق سے سر انجام دیا ہے۔"

محقق صاحب نے "مقدمۃ التحقیق" میں صفحہ ۲۳ پر یہ سند عطا فرمائی ہے کہ "میری معلومات کے مطابق اس میں کوئی ضعیف روایت نہیں ہے"

فاضل محقق نے مقدمے میں یہ بھی لکھا کہ "عصرِ حاضر میں متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں لیکن ان میں اکثر کتابیں اکاذیب، موضوع احادیث، ضعیف ومردود روایات، تضادات اور علمی مغالطّوں پر مشتمل ہیں"۔" (مقدمۃ التحقیق ص۔۱۸)۔ اس سلسلے میں فاضل محقق نے مختلف مثالیں بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام سید مسعود احمدؒ کی کتاب "صلوٰۃ المسلمین" کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ پوری کتاب میں ان کو صرف ایک حدیث ایسی ملی جس پر وہ اعتراض کرسکے۔ اس سے ان کی تسلی نہ ہوئی تو پھر انہوں نے نماز کے موضوع سے ہٹ کر

تاریخ الاسلام والمسلمین مطول کو بھی اپنی تنقید میں شامل کرلیا۔

تنقید کوئی بری چیز نہیں بشرطیکہ وہ تعمیری ہو اور علمی مباحث تک محدود ہو لیکن اگر اس میں ذاتیات اور دل آزاری کا عنصر شامل ہو جائے تو یہ بات ایک تحقیقی کام کرنے والے عالم کو زیب نہیں دیتی۔

سید محمد سلیمان صاحب نے حافظ زبیر علی زئی صاحب کے اعتراضات کے جواب میں ایک مضمون لکھا تھا جو "مجلۃ المسلمین" میں مارچ اور اپریل ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا تھا۔ حافظ زبیر صاحب نے رسالہ الحدیث کی کسی اشاعت میں اس کا جواب لکھا۔ اس میں سلیمان صاحب کے مضمون تک محدود رہنے کے بجائے انہوں نے کچھ نئے مباحث بھی چھیڑ دیئے۔ انہوں نے سلیمان صاحب کے مضمون کا جواب کم دیا البتہ اپنے اخلاق کا نمونہ خوب خوب فراہم کیا۔

"نماز نبوی" کے مقدمہ میں فاضل محقق "صلوٰۃ المسلمین" میں درج شدہ صرف ایک اثر کی نشاندہی کر سکے تھے۔ لیکن رسالہ الحدیث میں حافظ زبیر علی زئی کا مضمون شائع کرتے ہوئے حافظ ندیم ظہیر لکھتے ہیں:

"چاہیے تو یہ تھا کہ مقلدین مسعود ان ضعیف وموضوع روایات سے رجوع کر لیتے لیکن اس کے برعکس انہوں نے اپنے رسالہ مجلۃ المسلمین میں "صلوٰۃ المسلمین کی مدلل احادیث پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا جواب" نامی مضمون شائع کر کے محققین نماز

نبوی کو بے جا تنقید کا نشانہ بنایا۔‘‘

حافظ ندیم ظہیر کی اس چھوٹی سی عبارت میں کئی غلط بیانیاں ہیں۔ سب سے پہلے جماعت المسلمین کے ارکان کو سید مسعود احمد صاحب ؒ کا مقلد کہنا ایسا ہی الزام ہے جیسا بریلوی حضرات اہلحدیث پر محمد بن عبدالوہاب کی تقلید کا الزام لگاتے ہیں۔ دوسری غلط بیانی یہ کہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ ’’چاہیے تو یہ تھا کہ ان ضعیف وموضوع روایات سے رجوع کر لیتے‘‘ یہ لکھ کر انہوں نے یہ غلط تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ صلوٰۃ المسلمین میں بہت سی ضعیف وموضوع روایات ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حافظ زبیر علی زئی پوری کوشش کے باوجود صرف اور صرف ایک ہی روایت کی نشاندہی کر سکے تھے۔ جس کا جواب ’مجلۃ المسلمین‘‘ میں دے دیا گیا تھا۔ بہر حال اس اعتراض کا جواب کتاب ہذا کے آخر میں ملاحظہ فرمایئے۔ تیسری غلط بیانی یہ کہ ’’مجلۃ المسلمین کے مضمون میں محققین نماز نبوی کو بے جا تنقید کا نشانہ بنایا گیا‘‘۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے بھی اس اصلاح کی بناء پر اپنے مضمون میں نماز نبوی میں دو احادیث کا ضعیف ہونا خود تسلیم کیا ہے ایسی صورت میں یہ اصلاح یقیناً بے جا تنقید نہیں تھی جیسا کہ حافظ ندیم صاحب ظاہر کرنا چاہ رہے ہیں۔ اب ہم حافظ زبیر علی زئی کے مضمون کی طرف آتے ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اپنے مضمون کی ابتداء ہی ناشائستہ الفاظ اور خلاف حقیقت اور جھوٹ باتوں سے کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ’’مسعود احمد بی ایس سی ایک تکفیری

خارجی شخص تھا جس کے مقلدین اس کی اطاعت کو فرض اور ایمان کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔''
(الحدیث صفحہ ۱۱) نعوذ باللہ من ذلک۔

اس ایک ہی جملے میں حافظ صاحب نے کئی جھوٹ اور خلاف واقعہ باتیں بیان کی ہیں۔

اول: انہوں نے شیخ الاسلام سید مسعود احمدؒ صاحب کو ''تکفیری'' لکھا ہے۔اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ سید مسعود احمد صاحبؒ دوسروں کو کافر کہتے تھے تو یہ بالکل غلط ہے۔سید مسعود احمد صاحبؒ جب اہل حدیث تھے اس وقت ہوسکتا ہے کہ شاید انہوں نے کسی کی تکفیر کی ہو کیونکہ اہل حدیث علماء اکثر ایسا شغل کیا کرتے ہیں۔لیکن جہاں تک ہمارا علم ہے انہوں نے اس وقت بھی کسی کی تکفیر نہیں کی اور جماعت المسلمین میں ہوتے ہوئے تو انہوں نے کبھی کسی کی تکفیر نہیں کی۔ان کی تحریریں اس بات کی گواہ ہیں ''الجملۃ القدیمہ بجواب الفرقۃ الجدیدہ'' میں انہوں نے صراحت کے ساتھ کسی کی تکفیر کرنے کا انکار کیا ہے ۔سید مسعود احمد صاحبؒ نہ صرف یہ کہ خود کسی کو کافر کہنے سے اجتناب فرماتے تھے بلکہ اپنے مامورین کو بھی اس سے منع فرماتے تھے۔

دوم: ''خارجی''۔معلوم ہوتا ہے علی زئی صاحب خارجیوں کے عقائد اور ان کی علامات سے مکمل واقفیت نہیں رکھتے۔اگر واقفیت رکھتے ہوتے تو وہ سید مسعود احمد صاحبؒ کو ہرگز خارجی نہ کہتے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے جب خارجیوں کی نشانی پوچھی گئی تو آپ

علیہ نے فرمایا ''سیما ھم التحلیق ''ان کی نشانی سرمنڈوانا ہے۔(صحیح بخاری، کتاب التوحید) جبکہ سید مسعود احمد کبھی سر نہیں منڈواتے تھے جبکہ سرمنڈوانے کی سختی سے مخالفت فرماتے تھے۔آپ نے منہاج میں لکھا ہے۔

''سر پر بال رکھے'' (منہاج المسلمین ص۔۳۹۹)

''بال منڈائے نہیں'' (منہاج المسلمین ص۔۴۰۰)

بھلا جس شخص میں اللہ کے رسول، صادق المصدوق علیہ کی بتائی ہوئی خوارج کی شناختی علامت ہی موجود نہ ہو اس شخص کو خارجی کہنے یا سمجھنے کی جسارت وہی شخص کرسکتا ہے جس کو یا تو اس قولِ رسول علیہ کا علم نہ ہو یا جس کا قولِ رسول علیہ پر ایمان ویقین کامل نہ ہو۔

سوم: ''جس کے مقلدین اس کی اطاعت کو فرض اور ایمان کا مسئلہ سمجھتے ہیں'' یہ غلط بیانی ہے۔ جماعت المسلمین کا کوئی فرد سید مسعود احمد صاحب کی تقلید نہیں کرتا اور نہ بحیثیت عالم ان کی اطاعت کو فرض سمجھتا ہے۔ البتہ بحیثیت امیر ان کی اطاعت کی جاتی تھی کیونکہ امیر کی اطاعت کا فرض ہونا صحیحین کی متفق علیہ احادیث سے ثابت ہے۔ ہم یہاں صرف ایک حدیث نقل کردیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ نے فرمایا:

السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب وکرہ مالم یومر بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ متفق علیہ وفی روایۃ للبخاری

السمع و الطاعۃ حق (صحیح بخاری ح ۲۹۵۵، ۷۱۴۴ وصحیح مسلم ح ۴۷۶۳)

ترجمہ: سننا اور اطاعت کرنا ہر مسلم پر فرض ہے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند ہو جب تک اسے (اللہ کی) نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر اس کو نافرمانی کا حکم دیا جائے تو وہ نہ اسے سنے اور نہ اطاعت کرے۔

زبیر علی زئی صاحب مزید لکھتے ہیں ''مسعود صاحب کے مقابلے میں کوئی بھی ایسا اہلحدیث عالم نہیں ہے جس کی اطاعت فرض اور ایمان کا مسئلہ ہو'' جماعت غرباء اہلحدیث کے متعلق کیا خیال ہے۔ کیا وہ اپنے امام یا امیر کی اطاعت کو فرض نہیں سمجھتے ؟

زبیر علی زئی صاحب نے یہ بھی الزام لگایا ہے کہ سید مسعود احمد صاحبؒ نے ایک فرقے کی بنیاد رکھی۔ سبحنک ھذا بھتان عظیم . سید مسعود احمد صاحبؒ تو فرقہ بندی کے سخت مخالف تھے۔ وہ تو آخر وقت تک فرقہ بندی کے خلاف جہاد کرتے رہے اور اسی وجہ سے تو فرقہ پرست ان کے دشمن ہو گئے۔ سید مسعود احمد صاحبؒ نے تو الجماعۃ کا احیاء کیا۔ کسی فرقے کی بنیاد نہیں رکھی۔

اب ہم آپ کی خدمت میں چند تناقضاتِ علماء اہل حدیث پیش کرتے ہیں۔ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں۔

''(۱) محدث شام شیخ ناصر الدین البانی سے ایک عجیب سہو ہوا ہے انھوں نے صفۃ صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ نمبر ۸۰ میں ایک ضعیف اور غیر صریح روایت

کی بنیاد پر جہری نمازوں میں قراءت (فاتحہ) کو منسوخ قرار دیا ہے حالانکہ ان کی مستدل روایت کے راوی جناب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے جہری اور سری دونوں نمازوں میں مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت ہے۔ (نماز نبوی صفحہ نمبر 23)

(۲) جناب خواجہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب (قد قامت الصلوٰۃ) اختلافی مسائل پر اعتدال کی حامل انتہائی بہترین کوشش ہے۔۔۔۔مگر اس کتاب میں بھی ضعیف ومردود روایات آ گئی ہیں۔ (نماز نبوی صفحہ نمبر 23)

(۳) جناب عبدالرؤف صاحب کی کتاب "القول المقبول فی تخریج صلوٰۃ الرسول" اس سلسلہ کی بہترین کتاب ہے تاہم بشری کمزوریوں کی وجہ سے اس تخریج میں بھی اوہام واقع ہو گئے ہیں مثلاً ابو داؤد (۲۰۳) وغیرہ کی ایک ضعیف روایت کو عبدالرؤف صاحب نے "حسن درجہ کی حدیث" لکھا ہے حالانکہ یہ سند منقطع ہے اور اس کا کوئی شاہد بھی صحیح نہیں ہے۔ (نماز نبوی 23)

(۴) شیخ البانی نے اس کی سند پر عدم واقفیت کے باوجود لکھا ہے کہ وما اراہ یصح میں نہیں سمجھتا کہ یہ صحیح ہے (ارواء الغلیل ۲/ ۳۹ ح ۳۳۲) اور آگے اپنی یہ بات بھول کر بغیر کسی جرح کے (اس حدیث کو) نقل کر دیا (ایضاً ص: ۲۶۸ ح ۴۹۹)"

{نمازِ نبوی مقدمۃ التحقیق}

تبصرہ:

مثال نمبر (۱) اور (۴) میں الفاظ کا حسن انتخاب قابل دید ہے۔ اگر البانی صاحب کسی ضعیف اور منقطع روایت کی بنیاد پر فاتحہ خلف الامام کی صحیح ترین احادیث کو رد کر دیتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ ان سے ایک عجیب سہو ہو گیا۔ مسعود صاحب نے تو صحیح احادیث کی روشنی میں سکتات کے مسئلہ کو اجاگر کیا اور دونوں صحیح احادیث کو قبول کیا کسی کو رد نہ کیا اور ان دونوں احادیث میں تطبیق کی وہ صورت پیش کی جو صحابہؓ اور محدثین سے منقول ہے۔ لیکن یہاں پر الفاظ کا سوء انتخاب غور طلب ہے کہ انہیں شریعت ساز، خائن اور دھوکہ باز کہا گیا۔ بقول زبیر علی زئی صاحب کے ''کیا دنیا میں اب انصاف نہیں رہا؟''

حالانکہ جتنے دلائل سکتات میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے لئے دئے گئے ہیں ان میں سے اکثر صحیح یا حسن درجہ کے ہیں اور جہاں کسی ایسی روایت کو پیش کیا جس پر جرح تھی تو وہاں وضاحت بھی کر دی کہ ضعف کی وجہ حافظے کی خرابی تھی اور یہ بات اہل علم سمجھتے ہیں کہ شواہد میں ضعیف روایات کی کثرت کسی ثابت شدہ مسئلہ کو تقویت دینے کیلئے پیش کرنا کوئی خلاف واقعہ بات نہیں۔

مثال نمبر (۴) میں جس راوی پر بحث کی گئی اس کے بارے میں زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں۔ ''عبدالمنعم بن بشیر کذاب ہے۔۔۔۔۔۔۔عبدالرحمٰن بن اسلم سخت ضعیف ہے۔''

(نصر الباری صفحہ نمبر 147)

تبصرہ:

یعنی ایک کذاب راوی اور دوسرے سخت ضعیف راوی کی روایت کوالبانی صاحب نے ایک جگہ کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ صحیح ہے اور دوسری جگہ وہ اپنی یہ بات بھول گئے اور اسے بغیر جرح کے نقل کردیا یعنی صحیح کہا۔

اگر اس کے قریب بھی کوئی خطا مسعود احمد صاحبؒ کردیتے تو الزامات کی جو بوچھاڑ ہوتی اس کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

یہاں ہم زبیر علی زئی صاحب کی معلومات میں کچھ مفید اضافہ کئے دیتے ہیں۔انہیں کتاب ''نماز نبوی'' کے بارے میں یہ خوش فہمی ہے کہ اس کتاب میں کوئی ضعیف روایت نہیں ہے۔(نماز نبوی صفحہ نمبر ۳۸)

﴿نماز نبوی پر اعتراضات﴾

نمازِ نبوی صفحہ ۹۴ پر ابنِ ماجہ کے حوالے سے مسجد میں داخل ہونے کی ایک دعا لکھی ہے۔اس پر ہمارے رسالے مجلة المسلمین (مارچ،اپریل 2003) کی اشاعت میں یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔علی زئی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ ''ابنِ ماجہ والی روایت انقطاع اور ضعف لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے'' (الحدیث ص ۱۴) لیکن اس کے آگے لکھتے ہیں ''لیکن اس کے دوسرے شواہد ہیں مثلاً دیکھئے عمل الیوم واللیلة لابن السنی (۸۷)''۔ہم نے عمل الیوم واللیلة کو بھی دیکھا۔اس میں اس حدیث کی سند

اس طرح ہے۔

موسی بن الحسن الکوفی حدثنا ابراهیم بن یوسف الکندی حدثنا سعید بن الخمس عن عبدالله بن الحسین الکوفی عن امه عن جدته.

حدیث کی سند آپ کے سامنے ہے۔ جو انقطاع ابنِ ماجہ کی روایت میں تھا بعینہ وہی انقطاع اس سند میں بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن حسینؒ سے اوپر سند ایک ہی ہے تعجب ہے علی زئی صاحب اسے شواہد میں کیسے شمار کررہے ہیں۔

بہر حال یہ بات خوش آئند ہے کہ آخر کار آگے چل کر علی زئی صاحب نے اس روایت کو ضعیف تسلیم کرلیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

''تنبیہ(۱): راقم الحروف نے اس روایت کو سنن ترمذی وسنن ابن ماجہ کی تحقیق میں اسنادہ ضعیف ہی لکھا ہے۔

تنبیہ(۲): قول راجح میں حسن لغیرہ روایت ضعیف ہی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم''

(الحدیث ص ۱۴)

۲۔ نماز نبوی کی دوسری حدیث جس کے ضعف کی طرف سید سلیمان صاحب نے اشارہ کیا تھا وہ ترمذی کی روایت ہے جس میں خطبہ جمعہ کے دوران گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔ علی زئی صاحب لکھتے ہیں ''اس روایت کے دوراویوں سہل بن معاذ اور ابو مرحوم

عبدالرحیم بن میمون پر سید سلیمان صاحب نے جرح کی ہے'' (الحدیث ص ۱۴) وہ مزید لکھتے ہیں ''جماعت المسلمین والے فیصلہ کریں ان دوراویوں سے استدلال کرنے میں مسعود صاحب حق بجانب ہیں یا سید سلیمان صاحب کی تحقیق ہی راجح ہے'' (الحدیث ص ۱۵) اس بارے میں عرض ہے کہ ان راویوں پر جرح ہم نے نہیں کی۔ ہم نے تو علامہ شوکانی کی عبارت نقل کی ہے۔ ''اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ان دوراویوں کو ضعیف لکھنے میں علامہ شوکانی حق بجانب ہیں یا علی زئی صاحب کی تحقیق ہی راجح ہے''۔

۳۔ نماز نبوی میں صفحہ ۲۵۹ پر ابن ماجہ اور ابو داؤد کے حوالے سے ایک مسئلہ درج ہے ''عید اگر جمعہ کے دن ہو تو نماز عید پڑھنے کے بعد جمعہ پڑھ لیں یا ظہر اختیار ہے''۔ اس پر سلیمان صاحب نے لکھا تھا کہ اس مسئلے کی دلیل کے طور پر نماز نبوی میں جن احادیث کا حوالہ دیا گیا ہے ان احادیث میں ''ظہر'' کے الفاظ نہیں ہیں۔ لہذا یہ الفاظ حدیثِ رسول پر زیادتی ہیں۔ علی زئی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں ''عید اور جمعہ اگر اکٹھے ہو جائیں تو عید پڑھنے کے بعد جمعہ کی نماز میں اختیار ہے جو چاہے پڑھے اور جو چاہے نہ پڑھے جس کا ثبوت ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہما کی روایت سے ملتا ہے''۔ بالکل صحیح ہے۔ سید سلیمان صاحب نے بھی یہی لکھا تھا کہ نماز نبوی میں جن احادیث کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں صرف نماز جمعہ کا ذکر ہے۔ نماز ظہر کا نہیں۔ لہذا نمازِ نبوی میں ان احادیث کے حوالے سے ''نماز ظہر'' کے الفاظ حدیثِ رسول میں زیادتی ہے۔ جو تحقیق کرنا چاہے وہ ابوداؤد اور ابنِ ماجہ

کھول کر یہ احادیث دیکھ لے کہ ان میں ''نمازِ ظہر'' کے الفاظ ہیں یا نہیں۔

الحمدللہ یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ احادیث رسول میں ''نمازِ ظہر'' کے الفاظ نہیں ہیں۔آگے علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ ''حافظ عبداللہ روپڑی کی بھی یہی تحقیق ہے (کہ اگر عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو ظہر کی نماز پڑھی جائے گی)۔ان کی تائید اس صحیح حدیث سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔''پس انہیں بتا دو کہ بے شک اللہ نے دن رات میں (ان پر) پانچ نمازیں فرض کی ہیں (البخاری:۱۳۹۵)ان پانچ نمازوں میں ظہر کی نماز (وحین تظہرون /الروم: ۱۸) بھی ہے،جس کی فرضیت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے''۔ (الحدیث ص۔۱۵)

قطع نظر اس سے کہ نمازِ ظہر پڑھی جائے گی یا نہیں۔مندرجہ بالا استدلال سمجھ میں نہیں آتا۔اس کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ جمعہ کے دن بھی نمازِ ظہر فرض ہے،جس کا شاید کوئی بھی قائل نہ ہو۔

علی زئی صاحب مزید لکھتے ہیں ''کسی روایت میں یہ صراحت نہیں کہ (سیدنا) عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز اس دن نہیں پڑھی تھی جس دن عید اور جمعہ اکٹھے تھے''۔(الحدیث۔ص۱۵)

زبیر علی زئی صاحب کے قلم سے ایسی بات نکلنا بہت قابل تعجب ہے۔اگر وہ سید سلیمان صاحب کا مضمون کھلے دل سے پڑھتے تو ان کو مجلہ المسلمین بابت ماہ اپریل کے

صفحہ ۱۳۱ پر اس کا جواب مل جاتا۔علی زئی صاحب کی اطلاع کے لئے ہم ذیل میں وہ روایت نقل کرتے ہیں جس میں یہ صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اس دن ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔

قال عطاء اجتمع یوم جمعة ویوم فطر فی عهد ابن الزبیرؓ فقال عیدان اجتمعافی یوم واحد فجمعهما فصلاهما رکعتین بکرة لم یزد علیهما حتی صلی العصر (رواہ ابوداود ح ۱۰۷۲ وسندہ صحیح)

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد میں جمعہ کا دن اور عیدالفطر کا دن اکٹھے ہو گئے۔حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا۔دوعیدیں ایک دن اکٹھی ہوگئی ہیں۔پس انہوں نے دونوں (یعنی نماز عید اور نماز جمعہ) کو جمع کیا اور دورکعتیں صبح کے وقت پڑھیں۔ان دورکعتوں کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ:

۱۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عید اور جمعہ اکٹھا کر کے صبح کے وقت دورکعتیں پڑھیں۔

۲۔ اس کے بعد عصر تک انہوں نے کوئی نماز نہیں پڑھی۔

یہ صراحت نہیں تو اور کیا ہے؟ اس سے بڑھ کر اور کیا صراحت ہوگی؟۔ہماری بات تو آپ نہیں مانیں گے لیکن دیکھئے خود آپ کے ہی اپنے علامہ شوکانی اس بارے میں کیا لکھتے ہیں۔

ظاهره انه لم یصل الظهر یہ ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ظہر کی نماز نہیں

پڑھی۔ (نیل الاوطار ج ۳، ص ۲۸۳)

اب یہ تو آپ کے گھر کی گواہی ہوگئی۔

علامہ شوکانی کی مندرجہ بالا صراحتوں کی روشنی میں بتایئے کہ نماز نبوی میں ''نماز ظہر'' کے الفاظ حدیث کے الفاظ ہیں یا ایجاد بندہ؟ کیا صدیق رضا صاحب اپنے تیز وتند فتووں کی بوچھاڑ اپنے استاد زبیر علی زئی صاحب پر کرنے کو تیار ہیں؟ اس مقام پر ہم بہت کچھ لکھ سکتے تھے لیکن یہ طفلانہ کاروائی صدیق رضا صاحب کو ہی مبارک!

۴۔ نماز نبوی صفحہ ۲۴۹ پر ایک حدیث لکھی ہے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اس پر جمعہ فرض ہے۔ مریض، مسافر، عورت، نابالغ لڑکا اور غلام جمعہ کی فرضیت سے مستثنیٰ ہیں''۔ اس کا حوالہ دیا ہے ابوداؤد باب الجمعة للمملوک والمرأة حدیث ۱۰۶۷۔ سید سلیمان صاحب نے اس پر اعتراض کیا تھا کہ ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ نہیں۔ ابوداؤد کی متعلقہ روایت مندرجہ ذیل ہے۔

عن طارق بن شهاب عن النبی صل الله علیه وسلم قال "الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا اربعة: عبد مملوک أو امرأة أو صبی أو مریض". (ابوداؤد ح ۱۰۶۷)

طارق بن شہاب سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' جمعہ کی نماز ہر مسلم پر جماعت کے ساتھ پڑھنا حق اور واجب ہے سوائے چار لوگوں کے۔ غلام، عورت،

بچہ یا مریض"

قارئین حدیث کے الفاظ کا مقابلہ ان الفاظ سے کریں جو نماز نبوی میں نقل کئے گئے ہیں تو ان میں مندرجہ ذیل فرق نظر آئیں گے۔

١۔ "جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے"۔ یہ الفاظ مندرجہ بالا حدیث میں نہیں۔

٢۔ "مسافر" کا لفظ حدیث میں نہیں۔

٣۔ حدیث میں صراحت کے ساتھ چار لوگوں کا ذکر ہے جبکہ نماز نبوی میں اسی حدیث کے حوالے سے یہ تعداد پانچ کر دی گئی ہے۔

کیا یہ تمام باتیں حدیث کے الفاظ میں صریح زیادتی نہیں؟

ان اعتراضات کا علی زئی صاحب کوئی جواب نہ دے سکے۔ البتہ "حدیث جس کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اس پر جمعہ فرض ہے" کو انہوں نے ضعیف تسلیم کیا ہے (الحدیث: ص ١٥) پھر لکھتے ہیں" "اس مسئلے پر اجماع ہے کہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے" (الحدیث: ص ١٦) سوال یہ نہیں ہے کہ مسافر پر جمعہ فرض ہے یا نہیں سوال تو یہ ہے کہ ابو داؤد کے حوالے سے حدیث کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ ابو داؤد میں ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں ہیں تو پھر یہ تحریف کی بدترین مثال ہے اور یہ مثال آپ نے سنی ہوگی کہ جو لوگ خود شیشے کے گھروں میں رہتے ہوں ان کو دوسروں پر پتھر نہیں پھینکنے چاہیں۔

زبیر علی زئی صاحب نے صلوٰۃ المسلمین میں ایک حدیث بھی نہیں بلکہ صرف

ایک اثر کے غلط ہونے کی نشاندہی کی تھی اگر چہ اس کے شواہد بھی موجود ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے لیکن ''نماز نبوی'' میں دو روایتوں کا ضعیف ہونا تو علی زئی صاحب نے بھی تسلیم کیا۔ جبکہ دو احادیث کے الفاظ میں زیادتی اس کے علاوہ ہے۔ اب نماز نبوی کے مصنفین و ناشرین بتائیں کہ کونسی کتاب ''سطحی قسم کی عامیانہ کتابوں'' میں شمار ہونے کی زیادہ مستحق ہے۔ ساتھ ہی صدیق رضا صاحب بھی بتائیں کہ وہ اپنے استاد مکرم کی عدم تحقیق اور تحریف فی الدین کے خلاف کتابچہ کب شائع کریں گے تاکہ ہم منتظر رہیں:

انسان غلطی کا پتلا ہے اور انبیاء اور رسل علیھم الصلاۃ والسلام کے علاوہ کوئی بھی معصوم عن الخطاء نہیں ہے۔ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں ایک ہی امام سے دو بلکہ بعض اوقات دو سے بھی زیادہ مختلف اقوال منقول ہیں تو کیا آپ اس بنا پر ان کو طعن و تشنیع کا ہدف بنائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ اپنی غلطی سے رجوع کرنے کا حق ہر ایک کو حاصل ہے اور غلطی تسلیم کر کے اس سے رجوع کرنا تو بہت اچھی اور پسندیدہ بات ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ انسان غلطی کرے اور اس پر اصرار کرے؟ صحابہ کرامؓ اور دیگر سلف صالحین کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ اپنی غلطی معلوم ہوتے ہی اس سے رجوع کر لیتے تھے۔

خود علی زئی صاحب نے اپنی غلطی سے رجوع کیا ہے مثلاً جزء رفع الیدین (ح ۳۰) کے تحت انہوں نے ابو ہلال کو حسن الحدیث لکھا ہے اور الحدیث ص ۷ پر اس سے رجوع کر کے اس کو ضعیف لکھا ہے کیا ہم بھی اسے علی زئی صاحب کے تناقضات میں شمار

کریں؟

علی زئی صاحب نے سید مسعود احمد صاحبؒ کے جو تناقضات گنوائے ہیں مندرجہ بالا بحث کے بعد ان کے جواب دینے کی ضرورت تو نہیں رہتی پھر بھی ہم مثال کے طور پر علی زئی صاحب کے بتائے ہوئے دو تناقضات کا جائزہ لے لیتے ہیں۔

پہلا اعتراض تو علی زئی صاحب کو اس پر ہے کہ سید مسعود احمد صاحبؒ نے جزء رفع الیدین کی ابو ہلال کی روایت کو سندہ حسن لکھا ہے۔ (الحدیث ص ۱۶) جبکہ تھوڑا آگے چل کر علی زئی صاحب لکھتے ہیں۔ ''تاہم جزء رفع الیدین والی روایت سابقہ شاہد کی وجہ سے حسن ہے۔ والحمدللہ'' (الحدیث ۱۷)

ازالہ: جب آپ خود اس روایت کو حسن کہہ رہے ہیں تو پھر سید مسعود احمد صاحبؒ پر اعتراض کیوں؟

اب ہم تناقض نمبر ۵ کو دیکھتے ہیں کیونکہ اس کو علی زئی صاحب نے دو مرتبہ بیان کیا ہے۔ پہلے صفحہ ۱۴ پر اور پھر صفحہ ۱۸ پر۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ یزید بن ابان رقاشی کی ایک روایت کو سید مسعود احمد صاحبؒ نے ٹھیک لکھا ہے اور اسی کی دوسری روایت کو ضعیف لکھا ہے۔

ازالہ: اس کا جواب بہت آسان ہے۔ سید مسعود احمد صاحبؒ نے خود لکھا ہے کہ ''یزید بن ابان بے شک ضعیف ہے لیکن حضرت انسؓ سے اس کی روایتیں ٹھیک ہیں'' (جماعت

المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ٨٠)۔اب سوال یہ ہے کہ تاریخ مطول ص ١٢٧ پر یزید بن ابان عن انسؓ کی روایت کو ضعیف کیوں لکھا۔اس کا جواب آپ کو تاریخ ہی میں مل جائے گا کہ اس میں ایک اور راوی صالح المری بھی ضعیف ہے۔لہذا وہ روایت ضعیف ہوئی ﷲ الحمد۔

آخر میں ہماری جناب حافظ زبیر علی زئی سے درخواست ہے کہ وہ تحقیقی کام کر رہے ہیں۔اس کو مثبت انداز میں جاری رکھیں اور کسی شخصیت یا کسی قوم کی مخالفت میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اس زمانے کے فرقہ پرست علماء کے بجائے سلف کے ائمہ و محققین کا اسلوب اختیار کریں۔

یاد رہے کہ "نماز نبوی" کی ترتیب، تحقیق، تنقیح، تصحیح اور نظر ثانی میں دس علماء نے حصہ لیا اور پھر بھی اس میں فاش غلطیاں موجود ہیں جن کی نشاندہی ہم کر چکے ہیں۔جبکہ صلوۃ المسلمین تنہا سید مسعود احمد صاحبؒ کی تالیف کردہ ہے اس لحاظ سے تو اس میں بے شمار غلطیاں ہونی چاہیے تھیں۔لیکن ایسا نہیں ہے اور الحمد للہ اس میں ایک بھی غلطی ثابت نہیں ہوسکی۔

ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم ؒ

قارئین کرام !یہ تو مختصر سا جائزہ تھا جس میں ہم نے آپ کے سامنے زبیر علی زئی صاحب کے چند علمی و تحقیقی مغالطے پیش کئے۔علاوہ ازیں ناصر الدین البانی صاحب جن کو زبیر علی

زئی صاحب محدث شام جیسے مبالغہ آمیز القابات سے یاد کرتے ہیں۔ اگر ان کے تناقضات کی تفصیلات کوئی طالب حدیث حاصل کر لے تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ البانی صاحب کی تصحیح وتضعیف کا آخر کیا اعتبار؟ ایک ہی حدیث کو ایک مقام پر ضعیف کہہ کر اسے مقام آخر پر صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے تناقضات پر حسن بن علی السقاف نے دو جلدوں پر مبنی ایک کتاب لکھ کر اردن سے شائع کروائی ہے۔ آپ "**تناقضات الالبانی الواضحات فیما وقع فی تصحیح الاحادیث و تضعیفها من اخطاء و غلطات**" کا مطالعہ فرمائیں اور خود ہی فیصلہ کر لیجئے۔

اس کے علاوہ "AL ALBANI UNVEILED" کا مطالعہ بھی ان حضرات کیلئے مفید ہوگا جو عربی لغت میں کتب پڑھنے سے قاصر ہیں اور انگریزی لغت پر دسترس رکھتے ہیں۔

انتباہ: ہم نے جہاں اپنی کتب میں البانی صاحب کی تصحیح، تحسین یا تضعیف پیش کی ہے یا ان کی دیگر تحقیقات کا حوالہ دیا ہے تو اس سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اہل حدیث علماء ایسی تمام احادیث پر اعتراض کرنے سے پہلے سوچ لیں کہ ان کا اعتراض ان کے اپنے مفاد میں نہیں ہوگا۔ ہم البانی صاحب کی تصحیح یا تضعیف کو بطور دلیل پیش نہیں کرتے بلکہ محض اہل حدیث فرقہ کیلئے ان کے اپنے ہی گھر کی گواہی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ کیا علماء اہل حدیث البانی صاحب کی دیگر کتب سے ان تناقضات کو خارج کروانے کی کوشش کریں گے؟ اگر نہیں تو پھر جماعت المسلمین سے ایسا مطالبہ کرنا قول وفعل کے تضاد کے

مترادف ہے۔

﴿مسئلہ سکتات پر البانی صاحب کا رجوع﴾

قارئین کرام آپ کو یہ جان کر یقیناً حیرت ہوگی کہ محمد ناصر الدین البانی صاحب نے بھی جہری رکعت کے سکتے میں مقتدی کے لئے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے مسئلہ پر بالآخر رجوع کر لیا تھا۔ اگر چہ اس بات کا علم اکثر اہل علم کو بھی نہ ہو سکا۔ البانی صاحب اپنی کتاب "صفة صلاة النبی ﷺ" میں یہ لکھ چکے تھے کہ مقتدی کے لئے جہری رکعت میں قراءت کرنا منسوخ ہے۔ (ص ۷۱، ۷۰) پھر کچھ سالوں کے بعد ۱۳۹۲ھ میں البانی صاحب نے اپنی ہی کتاب "تلخیص صفة صلاة النبی ﷺ" میں یہ اعتراف کر لیا کہ ان کا یہ خیال صحیح نہیں تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

ویجب علی المقتدی ان یقراء ھا وراء الامام فی السریة وفی الجھریة ایضاً ان لم یسمع قراء ة الامام ، اوسکت ھذا بعد فراغه منھا سکتة لیتمکن فیھا المقتدی من قراء تھا، وان کنا نری ان ھذا السکوت لم یثبت فی السنة. (تلخیص صفة صلاة النبی ﷺ ص ۱۸)

ترجمہ: مقتدی پر لازم ہے کہ امام کے پیچھے سری رکعت میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرے۔ اور اسی طرح جہری رکعت میں بھی اگر چہ اس کو امام کی قراءت سنائی نہ دے۔ یا اس طرح سے کہ امام قراءت سے فارغ ہونے کے بعد سکتہ کرے تا کہ مقتدی کے لئے اس سکتے میں

سورۃ الفاتحہ کی قراءت ممکن ہو سکے۔ اگر چہ ہم سمجھتے تھے کہ یہ سکتہ سنت سے ثابت نہیں ہے گویا البانی صاحب نے اس مسئلہ پر رجوع کر کے درست موقف اختیار کرلیا تھا۔ اللہ کے واسطے اب تو سمجھ جایئے کہ مسئلہ سکتات پر آپ کے اپنے محدثِ بلادِ شام نے بھی رجوع کر لیا تھا۔ فبای حدیث بعدہ یومنون ؟؟؟

﴿حضرت ابو ہریرہؓ اور مسئلہ سکتات﴾

صدیق رضا صاحب نے اپنے کتابچہ کے صفحات نمبر 52 تا 59 پر حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی احادیثِ سکتات پر بحث کی ہے۔ جن میں سے چند اشکالات اور ان کے جوابات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

اعتراض: ''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: جب امام خاموش ہو تو تم پڑھا کرو اور جب وہ پڑھیں تو تم خاموش ہو جایا کرو''۔ (صلوٰۃ المسلمین، ص 343)

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت ہی صحیح نہیں، استاذی المحترم فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی صاحب حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''سندہ ضعیف جدا فیہ اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروۃ ھو کذاب متروک، یہ روایت اسحاق بن عبداللہ کی وجہ سے موضوع ہے لہٰذا اس کا (بطور حجت) بیان کرنا حلال نہیں'' (ماہنامہ شہادت، مارچ 2000ء ص 33)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت موضوعِ زیر بحث سے بھی یکسر غیر متعلق ہے،

چونکہ نہ تو اس میں دو سکتوں کا ذکر ہے نہ ہی ان سکتوں میں مقتدی کی قراءت کا۔ لہٰذا یہ صحیح بھی ہوتی تب بھی ان کے لئے مفید نہ ہوتی، چہ جائیکہ یہ تو موضوع روایت ہے۔

ازالہ: یہ تسلیم کہ اسحاق بن عبداللہ بن فروۃ متروک ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صلوٰۃ المسلمین میں صفحہ نمبر 339 پر یہ عبارت نقل کی گئی ہے "تاہم بطور شواہد کے ہم اس مسئلہ کے متعلق مزید احادیث و آثار ذیل میں درج کررہے ہیں"۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بھی شواہد کے طور پر پیش کی گئی ہے اور یہ بات گذشتہ صفحات میں ثابت کی جا چکی ہے کہ شواہد میں ضعیف راوی کی روایت کو بھی لیا جا سکتا ہے دوسری بات کہ ابو ہریرہؓ کی یہ بات ایک صحیح روایت سے بھی ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

للامام سكتتان فاغتنمو القراء ة فيهما بفاتحة الكتاب

(جزء القراءۃ للبخاری صفحہ 62 وسندہ حسن)

ترجمہ: امام کے دو سکتے ہوتے ہیں۔ ان دونوں میں سورت فاتحہ کی قراءت کو لوٹ لو۔

اس روایت کو صدیق رضا صاحب نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ نیز زبیر علی زئی صاحب نے بھی اسے صحیح تسلیم کیا ہے۔ (نصر الباری صفحہ 291)

لہٰذا یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ابو ہریرہؓ نہ صرف یہ کہ سکتات میں قراءت کرنے کے قائل تھے بلکہ اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ فللہ الحمد

مندرجہ بالا روایت کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود صدیق رضا صاحب تحریر فرماتے ہیں ''ان کے نزدیک مقتدی کی قراتِ فاتحہ کا بس ایک یہی طریقہ نہ تھا۔ نہ ہی سکتوں میں پڑھنا وہ لازمی اور واجب سمجھتے تھے'' (صفحہ 53)

اس کے برعکس صدیق رضا صاحب کے استاد زبیر علی زئی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''فوائد: اس اثر کی سند حسن لذاتہ ہے۔ سعید بن جبیرؒ جلیل القدر ثقہ تابعی تھے، وہ تمام سلف صالحین کا یہی طریقہ نقل کرتے ہیں کہ وہ حالتِ جہر میں بھی سکتاتِ امام میں (فاتحہ کی) قرات کرتے تھے''۔ (نصر الباری ص 291)

موازنہ: ایک طرف صدیق رضا صاحب کی عبارت ہے کہ ابو ہریرہؓ کے نزدیک مقتدی کی قرات فاتحہ کا بس یہی ایک طریقہ نہ تھا کہ سکتات میں ہی پڑھا جائے۔ دوسری جانب ان کے استاد ہیں جو فرما رہے ہیں کہ تمام سلف صالحین جن میں یقیناً حضرت ابو ہریرہؓ بھی شامل و مقدم ہیں، کا یہی طریقہ تھا کہ سکتات میں قراءتِ فاتحہ فرماتے۔ زبیر صاحب کی مذکورہ عبارت میں لفظ **یہی** غور طلب ہے۔ انہوں نے لفظ ''یہ'' کی جگہ ''یہی'' کا استعمال کیا۔ یعنی کہ زبیر صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام کا صرف یہی ایک طریقہ سلف صالحین کا اختیار کردہ تھا اور یہ عین وہی طریقہ ہے جو جماعت المسلمین میں عملاً اختیار کیا گیا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین ۔

امید ہے کہ صدیق رضا صاحب اپنے کتابچے کی اصلاح کرلینگے خصوصاً محولہ بالا عبارت کی تا کہ ان کے اور استاذہ المحترم زبیر علی زئی صاحب کے نظریات میں جو بعد المشرقین ہے وہ کم از کم ہو جائے۔ دیکھتے ہیں کہ صدیق رضا صاحب کیا ردعمل ظاہر فرماتے ہیں۔

مزید غور طلب بات یہ ہے کہ صدیق رضا صاحب پہلے تو یہ لکھ چکے ہیں کہ سکتات میں سورۃ فاتحہ پڑھنا مسعود صاحب کا خودساختہ مسئلہ ہے، اب تسلیم کررہے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ بھی اس مسئلے کی تائید کرتے ہیں۔ یہ حال ہوتا ہے حق کی بے جا مخالفت کا لیکن ہمارے پاس صدیق رضا صاحب کی طرح اتنا فاضل وقت نہیں ہے کہ اس بات پر انہیں زچ کرنے کے لئے مزید کچھ تحریر کریں۔

قارئین کرام! مسئلہ سکتات پر جتنے دلائل پیش کئے گئے ان سب کے باوجود ہر دلیل پر صدیق رضا صاحب یہ تبصرہ لکھ دیتے ہیں کہ اس سے مسعود صاحب کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔ یا تو صدیق رضا صاحب کو پیش کردہ لائل سمجھنے میں دشواری ہورہی یا پھر فرقہ پرستی کی عینک سے دیکھنے کے سبب ان کو دلیل نظر نہیں آرہی یا پھر آرہی ہے تو اپنے مطلب کی۔ بات کچھ بھی ہو ہمارا موقف الحمدللہ بالکل واضح ہے اور ان کے موقف کی طرح شکوک وشبہات میں الجھا ہوا نہیں ہے۔

﴿ مسئلہ سکتات اور علماء کی گواہی ﴾

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

وفعلها حال سکوت الامام ان امکن احوط (نیل الاوطار ج ۲،ص ۲۳۷)

ترجمہ: اگر ممکن ہوتو فاتحہ کوامام کے سکتات میں پڑھنے میں احتیاط زیادہ ہے۔

ارشادالحق اثری اہل حدیث لکھتے ہیں:

''ہم ٹھوس دلائل سے یہ ثابت کرآئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز میں سکتہ فرماتے تھے اور صحابہ کرامؓ سکتات میں پڑھتے تھے''۔

(توضیح الکلام فی وجوب القرۃ خلف الامام 2/143)

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ سکتات کے قائل کو بدعتی قرار دینا باطل ومردود ہے۔''

(نصرالباری ص 291)

اور ہم کس طرح سے صدیق رضا صاحب کواس مسئلہ پر قائل کریں؟

سیذکر من یخشیٰ ٥ ویتجنبها الاشقیٰ٥

مزید دیگر علماء مسئلہ سکتات پر ہمارے موقف کی ہی تائید کرتے نظرآتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

وان کان مأموما وجب علیه الانصات والاستماع فان جهر الامام لم یقرأ الا عند الاسکاتة وان خافت فله الخیرة فان قرأ فلیقرأ قراءة لا

یشوش علی الامام وھذا اولی الاقوال عندی .الخ

(حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۹)

ترجمہ: اگر مقتدی ہے تو استماع وانصات واجب ہے پس اگر امام جہر سے پڑھے تو مقتدی نہ پڑھے مگر سکتات میں ،اور اگر امام آہستہ پڑھے تو مقتدی کو اختیار ہے۔پس اگر مقتدی پڑھے تو فاتحہ اس طرح پڑھے کہ امام کو خلل میں نہ ڈالے اور یہ میرے نزدیک سب سے بہتر قول ہے۔

عبدالحی لکھنوی حنفی اور ان کے تلامذہ کی بھی یہی رائے ہے۔علامہ موصوف لکھتے ہیں:

فاذن ظھر حق الظھور ان اقوی المسالک التی سلک علیھا اصحابنا ھو مسلک استحسان القراء ۃ فی السریۃ کما ھو روایۃ عن محمد بن الحسن واختار ھا جمع من فقھاء الزمن ...وارجو رجاء موثقا ان محمدا لما جوزالقرأۃ فی السریۃ واستحسنھا لا بد ان یجوز القرأۃ فی الجھریۃ فی السکتات عند وجدانھا لعدم الفرق بینہ وبینہ وھذا ھو مذھب جماعۃ من المحدثین جزاھم اللہ یوم الدین۔

(امام الکلام :ص ۲۱۵، ۲۱۶)

ترجمہ: پس اب اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ جن اقوال کو ہمارے فقہاء نے اختیار کیا ہے ان میں سب سے زیادہ قوی قول یہ ہے کہ سری میں امام کے پیچھے الحمد پڑھنا مستحسن ہے، جیسا

کہ امام محمد اور دیگر فقہاء زمانہ کی ایک جماعت سے مروی ہے۔۔۔۔۔اور مجھے امید واثق ہے کہ جب امام محمد سری میں فاتحہ پڑھنے کو مستحسن کہتے ہیں تو لازماً جہری نمازوں میں بھی امام کے سکتات میں فاتحہ پڑھنے کو جائز سمجھتے ہوں گے۔ کیوں کہ جہری میں سکتات امام کی حالت میں اور سری نمازوں میں کوئی فرق نہیں اور محدثین کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں روز قیامت جزاء عطاء فرمائے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

فما بالهم تركوا هذا الخبر بالكلية ولم يجوز واقراء ة الفاتحة ولو حال السكتة. (امام الکلام: ص ۲۸۱)

ترجمہ: انھیں کیا ہوگیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور دوران سکتات بھی قراءت کو جائز نہیں سمجھتے۔

ظفر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور حضرت فقیہ الامت رشید ملت، قطب الارشاد رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''سبیل الرشاد'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ جہری کے سکتات میں قراءت خلف الامام جائز ہے۔'' (فاران کراچی: ص ۲۸، دسمبر ۱۹۶۰ء)

رشید احمد گنگوہی صاحب دیوبندی نے لکھا ہے: ''اگر سکتات میں پڑھا جاوے تو مضائقہ

نہیں''(سبیل الرشاد ص ۱۶،تالیفات رشیدیہ ص ۵۱۱)

گنگوہی صاحب مزید لکھتے ہیں''جب اس کو اس قدر خصوصیت بالصلوۃ ہے تو اگر سکتات میں اس کو پڑھ لو تو رخصت ہے اور یہ اس قدر قلیل آیات ہیں کہ محل ثناء میں ختم بھی ہو سکتی ہیں اور خلط قرات امام کی نوبت نہیں آتی''(تالیفات رشیدیہ ص ۵۱۲)

حدیث عبادہ بن صامتؓ پر تبصرہ فرماتے ہوئے گنگوہی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''پس یہ معنی ہوئے کہ تم سکتہ میں اگر فاتحہ پڑھو تو میں اس کی نہی نہیں کرتا جیسا کہ تم اب کرتے ہو اس واسطے کہ فاتحہ بہت مؤکد واجب صلاۃ منفرد و امام میں ہے مگر اور سورت کو ہرگز نہ پڑھو، نہ سکتات میں اور نہ امام کی قراءت کی حالت میں اور دلیل رخصت فاتحہ کی سکتات میں نہ حالت قراءت میں آپ نے خود اس حدیث میں بیان فرمادی ہے۔

بقوله وانا اقول مالی انازع القرآن .... الخ (سبیل الرشاد: ص ۳۲۔۳۳)

قاضی ثناءاللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

واستثناء ام القرآن يقتضى قراء تها عند السكتات جمعا بين الاحاديث وعملا بقوله تعالىٰ واذا قرئ القرآن فاستمعو اله وانصتو اوالله اعلم. (تفسیر مظہری ج ۱۰،ص ۱۱۹)

ترجمہ: یعنی حدیث (لايقرأن احد منكم شيئا من القرآن اذا جهرت بالقرأة الا بام القرآن) میں ام القرآن کی استثناء اس بات کو مقتضی ہے کہ سکتات میں سورت

فاتحہ پڑھی جائے۔احادیث اور آیت و اذا قری القرآن پر عمل کرتے ہوئے۔

مزید فرماتے ہیں:

قال احمد یستحب فی السریة وکذافی الجهریة عند سکتات الامام ان سکت لا مع قراته وبه قال الزهری ومالک وابن المبارک ویروی ذلک عن ابن عمر و عروة ابن الزبیر. (تفسیر مظہری ج۱۰،ص ۱۱۸)

ترجمہ: امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سری نمازوں میں قراءت خلف الامام مستحب ہے۔اسی طرح جہری میں سکتات امام کے وقت بھی مستحب ہے۔بشرطیکہ وہ سکتہ کرے۔امام کے ساتھ ساتھ نہ پڑھے۔یہی قول زہریؒ، مالکؒ،ابن مبارکؒ کا ہےاور حضرت ابن عمرؓ اور عروہ بن زبیرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔

قاسم نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:

''امام اعظم بھی باوجود عظمت وشان امکان خطا سے منزہ نہیں کیا عجب کہ امام شافعی علیہ الرحمتہ ہی صحیح فرماتے ہوں اور ہم ہنوز ان کے قول کی وجہ نہ سمجھتے ہوں اور اس امر میں زیادہ تعصب کو پسند نہیں کرتے۔''(توثیق الکلام فی انصات خلف الامام :ص ۲۳)

﴿اہل حدیث حضرات کی دلیل واحد﴾

اہلحدیث علماء مندرجہ ذیل حدیث کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ امام کی قراءت کے دوران ہی مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھ لینی چاہئے:

عن عبادة بن الصامتؓ قال كنا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فى صلوة الفجر فقرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم فثقلت عليه القراء ة فلما فرغ قال لعلكم تقرء ون خلف اما مكم قلنا نعم هذا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لاتفعلو الا بفاتحة الكتاب فانه لاصلوة لمن لم يقرأ بها (رواہ ابوداود، کتاب القراءت ص۴۲ وقال البیہقی ھذا اسناد صحیح)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے صلوۃ فجر پڑھ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے قراءت کی تو آپ ﷺ پر قراءت کرنا بھاری ہو گیا۔ پھر جب آپ ﷺ صلوۃ سے فارغ ہوئے تو فرمایا ''شاید تم اپنے امام کے پیچھے بھی پڑھتے ہو؟'' ہم نے کہا ''ہاں یا رسول اللہ جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ مت پڑھا کرو کیونکہ بغیر سورہ فاتحہ کے صلوۃ نہیں ہوتی۔''

وفى رواية هل تقرء ون اذا جهرت بالقراء ة فقال بعضنا انا نصنع ذلك قال فلا وانا اقول مالى ينازعنى القرآن فلا تقرء وا بشى من القرآن اذا جهرت الايام القرآن۔ (رواہ ابوداود، والدارقطنی وقال ھذا اسناد حسن)

ترجمہ: دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ''کیا تم ایسی حالت میں کہ میں بلند آواز سے قراءت کرتا ہوں پڑھتے ہو؟'' ہم میں سے کسی نے کہا ہم ایسا کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں کہتا تھا کیوں مجھ سے قرآن میں منازعت کیجا رہی ہے۔ جب میں بلند آواز سے قراءت کروں تو قرآن میں سے کچھ نہ پڑھا کرو سوائے سورۃ فاتحہ کے۔''

امام کے ساتھ ہی قراءت کرنا خلاف قرآن اور خلاف حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے ہی قول کے خلاف حکم نہیں دے سکتے۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے جہری رکعتوں میں سوائے سورہ فاتحہ کے اور کوئی تلاوت نہیں کرنی چاہیے۔ اور سورۃ فاتحہ اس وقت نہ پڑھنی چاہیے جس وقت امام قراءت کر رہا ہو کیونکہ اس صورت میں امام کو قراءت کرنے میں دشواری ہوگی جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث کا شان نزول بتا رہا ہے۔ اگر اس حدیث کو بغور پڑھا جائے تو یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جہری قراءت فرمائی اور اس کے دوران ہی صحابہ بھی قرات کر رہے تھے۔ آپ کو اپنی قرات کے دوران ہی صحابہ کا قراءت کرنا پریشان کر رہا تھا اسلئے آپ نے صحابہ کو قراءت سے روک دیا۔ لیکن چونکہ سورۃ فاتحہ مقتدی کیلئے پڑھنا لازم ہے اسلئے آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی اجازت دے کر اس سورۃ کو ممانعت سے مستثنیٰ کر دیا لیکن یہ استثناء بھی امام کی قرات کے دوران نہیں تھا وہ اس لئے کہ اگر امام قرات کر رہا ہو اور مقتدی ساتھ ہی ساتھ

قرات شروع کردے تو امام کو یقین خلجان ہو گا چاہے مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ رہا ہو یا کوئی اور سورت پڑھ رہا ہو۔ اس مقام پر خالد گھرجاکھی صاحب اہل حدیث کی ایک عبارت نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

''اور چھٹے باب میں امام بخاری منازعت سے بچ کر فاتحہ پڑھنے کا طریقہ ائمہ سے منقول کرتے ہیں کہ سکتات میں پڑھے یعنی منازعت سے بچنے کی کوشش کرے''۔

(جزءالقراءۃ ترجمہ از خالد گھرجاکھی ص ۱۷)

﴿نکتہ کی بات﴾

ایک باریک نکتہ یہ سمجھنے کے لائق ہے اور دراصل یہی نکتہ اس تمام مسئلے کو واضح کر دینے کیلئے کافی ہے کہ اس روایت کی ایک سند امام بیہقیؒ کی کتاب القراءت صفحہ نمبر 53 پر اور امام بخاری کی کتاب جزءالقراءت صفحہ نمبر 17 پر موجود ہے جو سنداً صحیح ہے اور اس کے راوی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہیں۔ اور عبداللہ بن عمروؓ وہ صحابیؓ ہیں جن سے سکتات کی احادیث ہم گذشتہ صفحات میں ثابت کر آئے ہیں گویا کہ غور سے دیکھا جائے تو عبداللہ بن عمروؓ ان دونوں احادیث کے راوی ہیں اور وہ خود بتا رہے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کرتے تھے۔ یعنی ہم ممانعت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے دوران کوئی قراءت نہیں کرتے تھے اور سورہ فاتحہ جس کی اجازت ہمیں دی گئی تھی اس کی قراءت بھی رسول اللہ ﷺ کی قرات کے دوران نہیں کرتے تھے بلکہ اس وقت کرتے جب

آپ قراءت فرما کر سکتہ کیا کرتے تھے۔ کیا اب بھی کوئی معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث عبادہؓ کا مقصد یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ ساتھ ہی سورہ فاتحہ پڑھ لے؟ کیا آج کے نام نہاد اہل حدیث اس حدیث کو زیادہ بہتر سمجھے یا صحابی عبداللہ بن عمروؓ نے اس حدیث کو بہتر سمجھا جو کہ اس حدیث کا شان نزول، موقع ومحل اور طرز عمل یقیناً بہتر سمجھتے ہیں۔ یہی وہ طریقہ ہے جس پر جماعت المسلمین اللہ کے فضل سے عمل پیرا ہے۔

الغرض اس مختصر سی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ پر مسعود احمد صاحبؒ کا موقف بالکل صحابہؓ کے مطابق ہے اور فرقہ اہلحدیث کا عمل خلافِ قرآن، خلافِ حدیث اور خلافِ صحابہؓ ہے۔ نیز یہ ہے کہ اہلِ حدیث حضرات کی یہ دلیل واحد دراصل ان کیلئے دلیل کی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ امام کی قراءت کے دوران مقتدی کا خاموش رہنا اور غور سے سننا گزشتہ صفحات میں قرآن وحدیث کے نصوص صریحہ سے ثابت کیا جاچکا ہے۔ الحمدللہ۔

دوسرا سکتہ کب کیا جائے؟

اسی ضدم ضدا کے طرزِ عمل کو جاری رکھتے ہوئے صدیق رضا صاحب نے ''مسعود صاحب کی ایک اور خیانت'' کے نام سے ایک باب باندھا ہے جس میں بلاوجہ ایک سیدھی بات کو الجھانے کی کوشش کی ہے۔

ازالہ: دوسرا سکتہ سورۃ فاتحہ کے بعد نہیں ہے بلکہ مکمل قراءت کے بعد ہے۔ یہ بات حضرت سمرہ بن جندبؓ کی حدیث سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب فرماتے ہیں:

انه كان يسكت سكتتين اذا افتتح الصلوة واذا فرغ من القراءة كلها
(ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب السکتۃ عن الافتتاح وسندہ صحیح)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ دو سکتے کیا کرتے تھے۔ (پہلا) جب آپ نماز شروع کرتے تھے اور (دوسرا) جب آپ پوری قراءت سے فارغ ہو جاتے تھے۔

لیکن صدیق رضا صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ نہیں جناب دوسرا سکتہ سورۃ فاتحہ کے بعد ہی ہے۔ اس حدیث پر علامہ وحید الزماں صاحب نے ابوداؤد مترجم کے فوائد میں لکھا ہے:

''دوسرے سکتہ سے غرض ہے کہ مقتدی اس سکتے میں سورۃ الفاتحہ پڑھ لیں۔ بعضوں نے کہا کہ دوسرا سکتہ بعد قراءت کے ہوتا رکوع کرنے سے پہلے۔ یہی مذہب ہے امام احمد اور اسحاق اور اہلحدیث کا'' (سنن ابو داؤد ترجمہ و فوائد علامہ وحید الزماں ۱/۳۰۷)

حافظ صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

''فاتحہ سے قبل یا بعد یا سورۃ کے بعد اتنا سکتہ کرے کہ مقتدی سورۃ الفاتحہ پڑھ لیں۔ صحیح روایات سے قراءت کے بعد سکتہ ثابت ہے۔'' (تفسیر احسن البیان ترجمہ محمد جونا گڑھی نظر ثانی صفی الرحمٰن مبارکپوری ۱/۵۷)

اس مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر ہم صلوٰۃ المسلمین سے ماخوذ شجرہ روایت دوبارہ پیش کر رہے ہیں۔

سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ

امام حسن بصری رحمہ اللہ

- **اشعث رح** — واذا فرغ من القراءۃ کلہا (ابوداؤد ج۱ ص۱۱۲) (س)
- **یونس**
  - **یزید بن زریع** — واذا فرغ من قراءۃ السورۃ (مسند احمد فتح ربانی ج۳ ص۱۶۵) (س)
  - **اسمٰعیل رح**
    - **حمید بن مسعدۃ** — وسکتۃ اذا فرغ من قراءۃ فاتحۃ الکتاب (دار قطنی ج۱ ص۱۳۶) (ف)
    - **علی بن اشکاب** — وسکتۃ عند الرکوع (ابن ماجہ ج۱ ص۶۰) (س)
    - **محمد بن خالد** — وسکتۃ عند الرکوع (ابن ماجہ ج۱ ص۶۰) (س)
    - **یعقوب** — وسکتۃ اذا فرغ من فاتحۃ الکتاب وسورۃ عند الرکوع (ابوداؤد ج۱ ص۱۱۳) (س)
  - **ہشیم رح** — واذا قال ولا الضالین سکت ایضاً (مسند احمد فتح ربانی ج۳) (ت)
- **منصور رح**
  - **ہشیم رح** — اذا قال ولا الضالین سکت ایضاً (مسند احمد فتح ربانی ج۳) (ت)
- **قتادۃ**
  - **سعید رح**
    - **عبد الاعلیٰ** — واذا فرغ من القراءۃ (ابوداؤد ج۱ ص۱۱۲، ترمذی ج۱ ص۳۴، ابن ماجہ ج۱ ص۶۰) والاخری حین فرغ من القراءۃ عند الرکوع (بیہقی ج۲) (س)
    - **یزید بن زریع**
      - **محمد بن منہال رح** — واذا فرغ من قراءۃ السورۃ (بیہقی ج۲) (س)
      - **عفان رح** — اذا فرغ من قراءۃ السورۃ (مسند احمد بلوغ الامانی ج۳ ص۱۶۵) (س)
      - **مسدد**
        - **امام بخاری رح** — وسکتۃ اذا فرغ من قراءۃ (جزء القراءۃ ص۹۳) (س)
        - **امام ابوداؤد رح** — وسکتۃ اذا فرغ من قراءۃ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین (ابوداؤد) (ت)
      - **محمد بن عبد اللہ بن بزیع** — اذا فرغ من قراءتہ (حاکم ج۱ ص۲۱۵) (س)
    - **محمد بن ابراہیم** — والاخریٰ حین فرغ من القراءۃ عند الرکوع (بیہقی ج۲) (س)
- **حمید رح** — وسکتۃ اذا فرغ من السورۃ الثانیۃ قبل ان یرکع (مسند امام احمد فتح الربانی ج۳ ص۱۶۵، ورواہ البخاری فی جزء القراءۃ نحوہ) (س)

﴿صفحہ ماقبل پر جو شجرہ دیا گیا ہے اس کا جائزہ﴾

(س) سورت کے بعد

(ف) فاتحہ کے بعد

(س) کی تعداد = ۱۲

(ف) کی تعداد = ۴

(۱) اسمعیلؒ کے چار شاگردوں میں سے تین شاگردوں نے دوسرا سکتہ سورت کے بعد روایت کیا ہے اور صرف ایک نے فاتحہ کے بعد۔ لہذا سورت کے بعد ہی صحیح ہے اور اسمعیلؒ سے یہی ثابت ہے۔

(۲) یونسؒ کے شاگردوں میں سے اسمعیل اور اور یزیدؒ نے دوسرا سکتہ سورت کے بعد روایت کیا ہے اور صرف ہشیمؒ نے فاتحہ کے بعد۔ لہذا یونسؒ سے دوسرا سکتہ سورت کے بعد ثابت ہوا۔

(۳) یزید بن زریع کے سلسلہ اسناد میں عفانؒ، محمد بن منہالؒ محمد بن عبداللہ اور امام بخاریؒ نے دوسرا سکتہ سورت کے بعد روایت کیا ہے۔ اور صرف ایک شاگرد نے فاتحہ کے بعد۔ لہذا یزید بن زریعؒ سے بھی ثابت ہوا کہ دوسرا سکتہ سورت کے بعد تھا۔

(۴) سعیدؒ کے تینوں شاگرد، یزید بن زریع، عبدالاعلیٰ اور مکی بن ابراہیمؒ سورت کے بعد سکتہ کرنے پر متفق ہیں: لہذا سعیدؒ سے اور پھر قتادہؒ سے دوسرا سکتہ سورت کے بعد ثابت ہوا

(۵) امام حسن بصریؒ کے پانچ شاگردوں میں سے اشعثؒ اور یونسؒ (جیسا کہ اوپر ثابت ہوا) حمیدؒ اور قتادہؒ (جیسا کہ اوپر ثابت ہوا) یعنی چار شاگردوں نے دوسرا سکتہ سورت کے بعد روایت کیا ہے اور صرف ایک شاگرد منصورؒ نے فاتحہ کے بعد اور غالباً یہ غلطی منصور کی نہیں بلکہ ہشیمؒ کی ہے جنہوں نے یونسؒ سے روایت کرنے میں بھی بالکل یہی غلطی کی ہی اور دوسرے دو شاگردوں کے خلاف روایت کیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ امام حسن بصریؒ کے تمام شاگرد سورت کے بعد سکتہ کی روایت پر متفق ہیں۔

نتیجہ:

مندرجہ بالا بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس حدیث میں دوسرے سکتہ کا محل سورت کے بعد ہے، نہ کہ سورہ فاتحہ کے بعد۔ (صلوٰۃ المسلمین صفحات نمبر 351 تا 354)

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

کان سمرة اذا کبر سکت هنیئة و اذا فرغ من السورة سکت هنیئة

(کتاب القراءت للبیہقی صفحہ نمبر 86 سندہ صحیح)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو کچھ دیر سکتہ کرتے اور جب سورت سے فارغ ہوتے تو کچھ دیر سکتہ کرتے۔

نوٹ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سال میں چھ مہینے بصرہ میں رہا کرتے تھے۔

(اسد الغابۃ ۲/۳۵۴)

ناصر الدین البانی صاحب شوافع حضرات کے طریقہ سکتات پر لکھتے ہیں:

"اگر سکتہ کی حدیث صحیح ہو تو یہ تمہارے خلاف ہے اس لئے کہ حدیث میں دوسرا سکتہ پوری قراءت کے بعد ہے اور تم سورہ فاتحہ کے بعد سکتہ کرتے ہو۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ۲/۲۵)

البانی صاحب نے خود ہی اس مسئلہ پر فیصلہ صادر فرما دیا:

وهذه الرواية الاخيرة هي الصواب في الحديث لو صح لانه اتفق عليها اصحاب الحسن يونس و اشعث و حميد الطويل

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ۲/۲۶)

ترجمہ: اور حدیث کا متن اگر صحیح ہو تو دوسری سورت کے بعد سکتہ کرنا ہی صحیح ہے اس لئے کہ اس پر حسن بصریؒ کے اصحاب یونس، اشعث اور حمید طویل نے اتفاق کیا ہے۔

لہٰذا ہر زاویہ سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ دوسرا سکتہ سورۃ فاتحہ کے بعد نہیں ہے بلکہ مکمل قراءت کے بعد ہے اور صدیق رضا صاحب کا اعتراض کالعدم ہے۔

بات دوبارہ وہی آجاتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ امام کے پیچھے سورت فاتحہ دل میں پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، اور اسکے لئے مسلمین کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ قراءت فاتحہ کو امام کے سکتات میں حاصل کرلیا جائے۔ ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا مسئلہ سکتات پر عمل اور تبلیغ عین اسی طرح سے ہے جس طرح سے مسعود احمد صاحبؒ نے بیان اور تحریر فرمایا ہے۔ الحمدللہ رب

العالمین۔

﴿حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور مسئلہ سکتات﴾

اپنے کتابچے کے صفحہ 60 پر صدیق رضا صاحب نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی روایت کو بالآخر تسلیم کر ہی لیا لیکن وہ بھی اپنے انداز میں۔ لکھتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے متعلق مروی ہے: كان يقرأ خلف رسول الله ﷺ اذا انصت فاذا قرألم يقرأ فاذا انصت قرأ" وہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قراءت کرتے تھے جب آپ ﷺ خاموش ہوتے تھے لیکن جب آپ ﷺ پڑھتے تو وہ کچھ نہیں پڑھتے تھے، پھر جب آپ ﷺ خاموش ہوتے تو وہ پڑھتے تھے۔''

(صلوۃ المسلمین 344)

عرض: یہ روایت تو بلا شبہ حسن ہے، ضعیف نہیں لیکن اس سے بھی مسعود صاحب کا موقف قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔

اولاً: اس میں صرف دو ہی سکتوں کی صراحت نہیں۔ نہ ہی دو سکتوں کے مقام کا تعین ہے۔

ثانیاً: اس روایت میں مطلق قراءت و انصات کا ذکر ہے۔ پہلی یا دوسری رکعت کا ذکر نہیں۔''

ازالہ: اللہ کا احسان ہے کہ مخالفین نے ہمیشہ کی طرح اس مسئلہ پر بھی جماعت المسلمین کے درست موقف کی تائید کر ہی دی لیکن اپنے دامن کو بچاتے ہوئے۔ وضاحت طلب بات یہ

ہے کیا یہ اعتراض درست ہے کہ اس حدیث میں پہلی یا دوسری رکعت کا ذکر نہیں ہے اور یہ کہ اس سے مسئلہ واضح نہیں ہو رہا ہے۔ منصف مزاج متلاشیانِ حق کے نزدیک تو بات اظھر من الشمس ہے لیکن فاضل مصنف کو فرقہ پرستی کی عینک حقیقت دیکھنے سے روک رہی ہے۔ کیا کسی ایک حدیث سے ہی تمام مسائل مستنبط کیے جاتے ہیں۔ یا تمام احادیث کو جمع کر کے مسئلہ اخذ کرنا صحیح طرز عمل ہے۔ یقیناً صدیق رضا صاحب بھی فرمائیں گے کہ جی ہاں تمام احادیث کو یکجا کرنے کے بعد ہی کسی مسئلہ کا استنباط کیا جانا چاہیے۔ لہٰذا اس مسئلہ پر بھی یہی محنت درکار ہے۔ دوسری رکعت کے شروع میں سکتہ ہوگا یا نہیں اس کا جواب بھی الحمدللہ موجود ہے۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ ﷺ اذا نھض من (وفی روایة ابی عوانه فی) الرکعة الثانیة استفتح القراءة بالحمد لله رب العالمین و لم یسکت

(صحیح مسلم باب مایقال بین تکبیرة الاحرام والقراءة ۱/۴۱۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو سورۃ فاتحہ سے شروع کرتے اور سکتہ نہیں کرتے تھے۔

ثابت ہوا کہ صدیق رضا صاحب نے اس روایت کو مدنظر نہ رکھا اور جلد بازی اور مخالفت میں مسعود صاحبؒ پر بے جا اعتراض کر دیا۔ دوسری رکعت میں امام مکمل قراءت

کے بعد سکتہ کرے گا۔اور اسی میں مقتدی سورہ فاتحہ پڑھیں گے انشاءاللہ۔ نہ کتاب اللہ کی مخالفت ہوگی نہ سنت نبوی ﷺ کی۔

تمام اہل حدیث یعنی تمام اہل علم یعنی محدثین سکتات کو صحیح مانتے ہیں اور انہی میں مقتدی کی قرات کے قائل ہیں لیکن آجکل کے لوگ جو بے علم ہوتے ہوئے بھی اہلحدیث کہلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام کے سکتات میں سورۃ فاتحہ پڑھنا خلافِ حدیث ہے۔اور ثابت نہیں ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت کو حسن تسلیم کر لینے کے بعد بھی صدیق رضا صاحب لکھتے ہیں:

''اوّلاً ۔اس میں صرف دو ہی سکتوں کی صراحت نہیں ۔ نہ ہی دو سکتوں کا مقام متعین ہے۔''(ص ٦٠)

ازالہ: قارئین کرام! شاید ایسے ہی موقع پر یہ کہا جاتا ہے کہ رسی جل گئی پر بل نہیں گئے ۔ صدیق رضا صاحب کو یہ تو تسلیم کرنا ہی پڑا کہ یہ روایت حسن ہے۔لیکن ان کو اس کے انکار کی جب کوئی اور صورت نظر نہ آئی تو یہ عجوبہ روزگار جملہ لکھ دیا کہ اس میں سکتوں کی صراحت نہیں ہے اور نہ ہی ان کا مقام متعین ہے۔

قارئین اس روایت کو دوبارہ پڑھیں اور انصاف کریں۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرات کرتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تھے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے تو وہ کچھ نہیں پڑھتے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تھے تو وہ پڑھتے تھے۔

خط کشیدہ الفاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سکتے بالبداہت ثابت ہوتے ہیں اور ان میں صحابہؓ کا سورۃ فاتحہ پڑھنا بھی ظاہر ہوتا ہے۔اتنی واضح بات کی موجودگی میں بھی یہ کہنا کہ صراحت اور مقام کا تعین نہیں ملتا یہ بات انتہائی مضحکہ خیز ہے۔صدیق رضا صاحب کی اس بات پر وہ نشست یاد آ گئی جب ان کے استاد ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی صاحب سے گفتگو ہوئی اور وہ اصرار کرتے رہے کہ یہ ثابت کر دیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت جماعت المسلمین تھی۔ناچیز نے ان کی خدمت میں تمام احادیث پیش کر دیں لیکن وہ یہی کہتے رہے کہ نہیں آپ نے دلیل نہیں دی آپ کوئی ایسی حدیث پیش کریں جس میں یہ الفاظ ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ تمہاری جماعت جماعت المسلمین ہے۔

جن کو نہیں ماننا ہوتا وہ ھو سمٰکم المسلمین (سورۃ الحج۔۷۸) کی آیت سن کر بھی نہیں مانتے۔یہ الگ بات ہے کہ نہ تو دامانوی صاحب ہی اپنے فرقہ ورانہ نام اہل حدیث کا کوئی ثبوت پیش کر سکے اور نہ ہی کوئی اور یہ دلیل پیش کر سکا۔بلکہ ایک نشست میں صدیق رضا صاحب نے ناچیز کے سوال کے جواب پر بہت سے گواہوں کی موجودگی میں یہ اقرار کیا تھا کہ اہل حدیث نام کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔الحمدللہ۔

کاش کہ اس مسئلہ پر بھی صدیق رضا صاحب سچ کا ساتھ دیتے اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی اس روایت کو من وعن اسی طرح تسلیم کر لیتے جس طرح سے تسلیم کرنا چاہیے۔

آگے چل کر بھی موصوف نے ہر ہر قول واثر کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ اس سے مسعود احمد صاحب کی تائید نہیں ہوتی۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ والی روایت کے بارے میں زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ (سکتوں میں) خاموش ہوتے تو وہ آپ کے پیچھے (فاتحہ کی) قراءت کرتے تھے اور جب آپ پڑھ رہے ہوتے تو وہ قراءت نہ کرتے۔"

(الکواکب الدریہ ص ۴۸، نصر الباری ص ۲۶)

﴿عبداللہ عمرؓ اور فاتحہ خلف الامام﴾

محترم امیر جماعت المسلمین جناب محمد اشتیاق صاحب نے "تحقیق صلوۃ" میں عبداللہ عمرؓ کو فاتحہ خلف الامام کے عاملین میں شمار کیا تھا اور اس سلسلہ میں ٹھوس دلائل دیئے تھے۔ لیکن صدیق رضا صاحب نے یہاں بھی اپنے شدید بغض وعداوت کو کاغذ، قلم و دوات کے ذریعہ ظاہر کر دیا۔ لکھتے ہیں:

"آپ رجسٹرڈ جماعت کے موجودہ امیر محمد اشتیاق صاحب کی ایجاد کردہ خودساختہ بعض آثار بھی ملاحظہ کیجئے اور ان کی صداقت و دیانت اور احتیاط وتقویٰ کو داد

دیجئے۔اشتیاق صاحب لکھتے ہیں:

(۱)۔ مگر ابن عمرؓ سکتات میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو منع نہیں کر رہے اور ابن عمرؓ اس اُصول شرعیہ کی خود بھی پابندی کرتے تھے۔(تحقیق صلاۃ،ص 139)

درحقیقت اشتیاق صاحب نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ پر یہ بات خود گھڑی ہے وہ کبھی بھی اس بات کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے کہ ابن عمرؓ سکتے میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے اُصول کی پابندی کرتے تھے۔اور یہ واقعی شرعی اُصول بھی ہے؟'' (صفحہ 51)

<u>ازالہ:</u> ''تحقیق صلوۃ'' دراصل ''نمازِ مدلل'' کے جواب میں لکھی گئی تھی جو فیض احمد صاحب حنفی نے نمازِ حنفی کے دفاع میں لکھی تھی۔احناف فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں ہے لہٰذا فیض احمد صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں ضعیف وموضوع روایات پیش کیں وہاں جو صحیح روایت اپنے مسلک کو سہارا دینے کے لئے دستیاب ہوئی اُسے بخوشی نقل کر گئے۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ایک قول پیش کر کے نمازِ حنفی کا دفاع کیا۔

اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبه قراء ة الامام و اذا صلی وحده فلیقراء و کان ابن عمر لایقراء خلف الامام.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی ایک امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لئے کافی ہے اور جب اکیلے نماز پڑھے تو ضرور قراءت پڑھے اور خود ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرآن نہیں پڑھتے تھے۔(نماز مدلل ص ۹۰)

اس روایت پر محترم اشتیاق صاحب تبصرہ کرتے ہوئے جواب تحریر فرماتے ہیں:

''اثر (۲) جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ ٹھیک کہہ رہے ہیں کہ جب امام بلند آواز سے قراءت کر رہا ہو اُس وقت مقتدی کو کچھ نہیں پڑھنا چاہیئے گویا اس وقت امام کی قرات مقتدی ہی کی قراءت ہے۔ مگر ابن عمرؓ سکتات میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو منع نہیں کر رہے اور ابن عمرؓ اس اُصول شرعیہ کی خود بھی پابندی کرتے تھے۔ درج ذیل اثر اس بات کی مزید تائید کریگا۔

یحییٰ ابن البکاء سے مروی ہے:۔

سئل ابن عمر عن القرآۃ خلف الامام فقال ما کانو ایرون باساً ان یقرء بفاتحة الکتاب فی نفسه (جزء القراءۃ خلف الامام للامام البخاری ۱/ ۳۲ سندہ حسن)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے امام کے پیچھے قرات کرنے کے بارے میں معلوم کیا گیا۔ ابن عمرؓ نے کہا صحابہ کرامؓ امام کے پیچھے اپنے تئیں سورۃ فاتحہ کی قرات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:

صلینامع رسول الله ﷺ فقال هل تقرء ون القرآن معی اذا کنتم معی فی الصلوة قالو انعم قال فلا تفعلو االابام القرآن

(کنزالعمال ۸/ ۲۹۲ وسندہ حسن)

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میرے ساتھ نماز میں ہوتے ہو تو تم میرے ساتھ ساتھ قرآن پڑھتے ہو؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا ''جی ہاں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ایسا نہ کیا کرو سوائے اُم القرآن کے''۔

لہٰذا حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے سکتات میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی کسی حال میں بھی ممانعت نہیں کی۔ کیونکہ وہ خود اس حدیث کے راوی تھے''۔

(تحقیق صلاۃ بجواب نمازِ مدلل۔ صفحہ 140-139)

یعنی جس اُصول شرعیہ کی پابندی کا ذکر ابن عمرؓ کے حوالے سے تحقیق صلوۃ میں کیا گیا ہے اس کا ثبوت بھی دے دیا گیا تھا پھر بھی فاضل مصنف نے بغیر غور و فکر کے اعتراض کر دیا۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ عبداللہ عمرؓ فاتحہ خلف الامام کے اُصول شرعیہ کے پابند تھے لیکن امام کے ساتھ ساتھ قراءت کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اس کا لازمی حل یہی ہے کہ وہ سکتات میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے ورنہ اس اجتماع ضدین سے نکلنے کے لئے کوئی بین ذلک سبیلاً نہیں ہے۔ اگر ہے تو آپ پیش کر کے ہمیں شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

گذشتہ صفحہ پر پیش کردہ روایت کے لفظ ''معی'' سے اگر صدیق رضا صاحب کو دھوکہ ہو جائے تو مندرجہ ذیل روایت کو ضرور مدنظر رکھیں تا کہ پھر کوئی نیا اعتراض نہ کر بیٹھے۔

حضرت سالمؒ فرماتے ہیں۔

ان ابن عمر کان ینصت للاما م فیما یجھر فیہ و لا یقرا معہ

(کتاب القراءۃ ص ۱۰۰، مصنف عبدالرزاق ۲/۱۳۹)

ترجمہ: ابن عمرؓ جہری نمازوں میں خاموش رہتے تھے اور امام کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔

یہ اثر سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے اس کے راوی ابن جریج پر تدلیس کا الزام لغو ہے اور اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہاں تحدیث ثابت ہے۔ قال ابن جریج حدثنی ابن شھاب عن سالم (حوالہ مذکور)

صدیق رضا صاحب! اگر ابن عمرؓ کو سکتات میں قراءت فاتحہ کا قائل لکھنا افتراء ہے تو پھر آپ کے بزرگ جناب حافظ محمد گوندلوی صاحب بھی آپ کی عدالت میں مفتری ٹھہریں گے۔ کیونکہ وہ لکھتے ہیں:

''مندرجہ ذیل صحابہؓ و تابعین سری نمازوں میں اور جہری کے سکتات میں قراءت کے قائل تھے۔ عبداللہ ابن عمرؓ۔۔۔۔'' (خیر الکلام ص ۳۱)

ہم دوبارہ عرض کرتے ہیں کہ فاضل مصنف نے یہ کتابچہ لکھ کر نہ جماعت المسلمین، نہ مسعود صاحبؒ کا اور نہ ہمارا ہی علمی محاسبہ کیا۔ بلکہ اپنا اور اپنے ہی فرقہ کے نامور علماء کا علمی احتساب کر بیٹھے۔

﴿حضرت عروہ بن زبیرؒ اور مسئلہ سکتات﴾

عروہؒ بن زبیر فرماتے ہیں:

یبنی اقراء وافیما یسکت الامام واسکتوا فیما جھر الامام

(جزءالقراۃ ص ۳۰، کتاب القراۃ ص ۷۰)

ترجمہ: اے میرے بیٹو! جب امام سکتہ کرے تو تم پڑھو اور جب وہ بلند آواز سے پڑھے تو

تم خاموش رہو۔

یہ قول بھی بطور شاہد کے ہی پیش کیا گیا۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اسے ارشادالحق اثری صاحب نے ان الفاظ کے ساتھ قابل احتجاج بتایا ہے۔

''الغرض حضرت عروہؒ بن زبیر کا یہ اثر بالکل صحیح ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جہری کے سکتات میں اور سری میں قراءت خلف الامام کے قائل تھے۔''

(توضیح الکلام ص ۴۹۱)

انتباہ: ممکن ہے صدیق رضا صاحب ہمیشہ کی طرح یہاں بھی فرمادیں کہ جناب اس میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں ملتا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر ہم اس کا جواب پیش کردیتے ہیں کہ اسی روایت میں حضرت عروہؒ کے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔

ولا يتم صلاة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب (حوالہ مذکور)

ترجمہ: سورۃ الفاتحہ کے بغیر نماز تمام ہی نہیں ہوتی۔

﴿عطاء ابن ابی رباحؒ، مسئلہ سکتات اور الزامِ تدلیس﴾

امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

وقال عبدالرزاق عن ابن جريج عن عطاء قال اذا كان الامام يجهر فليبادر بقرأة ام القرآن او ليقرأ بعد ما يسكت فاذا قرا فلينصت كما قال الله عزوجل۔ (جزء القراءۃ ص ۲۱، مصنف عبدالرزاق ۲/۱۳۳، ح ۲۷۸۸)

ترجمہ: جب امام جہر سے قراءت کرے تو مقتدی کو چاہئے کہ (امام سے پہلے) جلدی جلدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے، یا مقتدی اس وقت سورۂ فاتحہ پڑھے جب امام قراءت کے بعد سکتہ کرے۔ لیکن جب امام قراءت کررہا ہو تو مقتدی کو چاہئے کہ خاموش رہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔

الغرض یہ اثر مسئلہ سکتات کے سلسلہ میں ایک اور گواہی ہے۔ اس روایت کو زبیر علی زئی صاحب نے پہلے صحیح تسلیم کیا تھا۔ بعد میں کسی وجہ سے صحیح کا لفظ اگرچہ ان کی کتاب میں برقرار رکھا گیا لیکن اس پر غلط کا نشان لگا کر اسے ضعیف کہہ دیا۔ (نصر الباری ص ۱۶۴) تضعیف کی وجہ یہ بتائی کہ یہ روایت عبدالرزاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ اس میں عبدالرزاق کا ابن جریج سے عنعنہ موجود ہے نیز یہ بھی لکھا کہ ابن جریج بھی اگرچہ مدلس ہیں۔ لیکن عطاء ابن ابی رباح سے ان کی قال عطاء (و معنعن وعدم تصریح سماع) والی روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں: **اذا قلت قال عطاء فانی سمعته وان لم اقل سمعت۔**

(التاریخ الکبیر لابن ابی خثیمہ ص ۱۵۷ وسندہ صحیح)

ترجمہ: جب میں کہوں کہ عطاء نے کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس سے سنا ہے اگرچہ میں نے سمعت نہ کہا ہو۔

قارئین کرام! نہ امام عبدالرزاق ؒ مدلس ہیں اور نہ ابن جریج ؒ ہی تدلیس کرتے تھے۔

دشمنانِ اسلام نے بڑے بڑے ائمہ ومحدثین پر تدلیس کی لغو تہمت لگا کر اُن احادیث پر براہ راست حملہ کیا ہے جو احادیث ان جلیل القدر ائمہ ومحدثین سے مروی ہیں۔تدلیس کی برائی جاننے کیلئے ہمارا کتابچہ ''اصول حدیث'' طلب فرمائیں۔

بہر حال عطاء ابن ابی رباحؒ کا یہ اثر بالکل صحیح ہے حتی کہ مولف توضیح الکلام نے بھی اعتراف کیا: ''یہ سند بالکل صحیح ہے۔امام عبدالرزاق براہ راست ابن جریجؒ سے اور وہ امام عطاءؒ سے نقل کرتے ہیں۔

غور طلب: قارئین غور فرمائیں ایک ہی سند کی صحت پر اہلِ حدیث فرقے کے دو نامور علماء میں واضح اختلاف موجود ہے۔علی زئی صاحب ضعیف مانتے ہیں اور اثری صاحب صحیح کہتے ہیں۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تدلیس کے موضوع پر کچھ گزارشات پیش کی جائیں تا کہ چند شبہات کا ازالہ ہو سکے۔

صحیحین میں مدلسین کی روایات

کہا جاتا ہے کہ شیخین نے جہاں اپنی تصانیف یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں متہم با لتدلیس راویوں کی معنعن روایات پیش کی ہے تو وہاں ان روایات کے اصول وشواہد موجود ہوتے ہیں۔ہمارا سوال یہ ہے کہ پھر شیخین نے اپنی کتب میں ان شواہد کو ترجیح کیوں نہ دی اور آخر وہ تدلیس والی روایات کو ہی کیوں پیش کرتے رہے؟ کیا یہ بات ثابت نہیں کررہی کہ وہ بھی

ان جلیل القدر ائمہ کو تدلیس کی تہمت سے بری جانتے تھے۔ معترضین کے اس بے جا مفروضے کو کالعدم قرار دینے کیلئے ابن حجر عسقلانیؒ کی ''النکت'' سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

قال ابن حجر وفی اسئلة الامام تقی الدین السبکی للحافظ ابی الحجاج المزی وسالته عن ما وقع فی الصحیحین من حدیث المدلّس معنعنا هل نقول انهما اطلعا علی اتصالها؟ فقال کذلک یقولون وما فیه الاتحسین الظن بهما والا ففیهما احادیث من روایة المدلّسین ماتوجد من غیر تلک الطریق التی فی الصحیح .

ترجمہ: امام تقی الدین السبکی کے اسئلہ میں ہے کہ میں نے ابوالحجاج المزی سے صحیحین میں مدلسین کی معنعن روایات کے متعلق پوچھا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں (امام بخاری و امام مسلم) کو ان احادیث کے متصل ہونے کا علم تھا؟ تو جواب دیا کہ لوگ تو اسی طرح کہتے ہیں لیکن یہ صرف ان دونوں کے متعلق حسن ظن ہے ورنہ تو ان دونوں (کتابوں) میں مدلّسین کی ایسی احادیث بھی ہیں جو (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں مذکورہ سند کے علاوہ (دوسری سندوں) سے نہیں ملتی۔

اب کیا کیا جائے مدلسین کی ایسی روایات جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عن کے ساتھ مروی ہیں جن کی سند صرف ایک ہے کوئی تابع نہیں تو ان کو رد کر دیا جائے گا یا مانا جائے گا۔

یقیناً ایسی تمام روایات کو تسلیم کیا جائے گا کیونکہ تدلیس کی لغویت کے ثبوت کے طور پر بے شمار شواہد موجود ہیں جن میں سے چند کا ذکر آگے آرہا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شیخین نے اپنی مذکورہ کتابوں میں مدلسین کی معنعن روایات لا کر یہ باور کرا دیا ہے کہ اس سے حدیث ضعیف نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ یا تو صحیحین میں موجود مدلس راویوں کی ایسی معنعن روایات کو بھی ضعیف قرار دیا جائے جن کا کوئی شاہد و متابع نہیں ہے یا پھر تدلیس کے فن کو ہی بے حقیقت کہہ کر ائمہ اور محدثین کو اس بے بنیاد الزام سے محفوظ قرار دیا جائے اور یہی صورت بہتر ہے کیونکہ اس طرح سے اپنے ایمان کو بھی محفوظ کیا جا سکے گا۔ دیکھیے شاہ ولی اللہ کیا فرماتے ہیں:

اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانھما متواتران الی مصنفیھما وانہ کل من یھون امرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین

(حجۃ اللہ البالغہ ۱/۲۴۲ مترجم)

ترجمہ: صحیح بخاری و صحیح مسلم کی بابت محدثین کا اتفاق ہے کہ ان میں جتنی بھی متصل، مرفوع احادیث ہیں وہ قطعی طور پر صحیح ہیں اور اپنے مصنفین تک متواتر ہیں نیز یہ کہ جو شخص بھی ان دونوں (مجموعہ ہائے احادیث) کی شان گھٹاتا ہے وہ بدعتی ہے اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کا پیروکار ہے۔

ایک اور مثال جس سے تدلیس کی آڑ میں دشمنان اسلام کی گھناؤنی چال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ذیل میں پیش خدمت ہے۔

حسین احمد مدنی ٹانڈوی صاحب دیوبندی قراءت خلف الامام کی حدیث کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ کہ اس کو عبادہ بن الصامت معنعناً ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مدلس ہیں مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں'' (توضیح ترمذی: ص ۴۳۶)

مزید کہا: ''کیونکہ بعض کے راوی عبادہ ہیں جو مدلس ہیں۔'' (ایضاً: ص ۲۳۷)

تبصرہ: حیرت ہے ان علماء پر جو صحابہؓ جیسی ہستیوں کو بھی ہدفِ نشان بنانے سے گریز نہیں کرتے اور وہ بھی محض اس لئے کہ اپنے فرقہ ورانہ آبائی مسلک و مذہب کا دفاع کر سکیں۔ چاہے اس کوشش میں دین اسلام کے ماخذ کا ہی انکار کیوں نہ ہو جائے۔ عبادہ بن صامتؓ بدری صحابی ہیں اور ٹانڈوی صاحب کی جرأت دیکھیں کہ قراءت خلف الامام کو مسترد کرنے کے لئے وہ بدری صحابی کو مدلس کہتے ہیں۔ جبکہ سرفراز خان صفدر صاحب دیوبندی نے لکھا ہے:

''یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہؓ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا۔'' (احسن الکلام: ۱۴۶/۲)

امین اکاڑوی صاحب جو کہ بغض مسلمین میں خاصے مشہور ہیں انہوں نے تو حد ہی کر دی

لکھتے ہیں:

''اور یہ عبادہ مجہول الحال ہے'' (تجلیات صفدر ۳/۱۵۲)

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ چند اقوال تھے جن سے تدلیس کی برائی ظاہر ہوتی ہے کہ کس طرح سے اس بے حقیقت فن کی اوٹ لیکر فرقہ پرست علماء نے اپنے مسلک کے خلاف موجود احادیث کو تدلیس کی بناء پر مجروح قرار دے کر مسترد کر دیا۔

﴿تدلیس کی لغویت﴾

اکثر اہل حدیث فرقہ کے علماء یہ باور کراتے ہیں کہ تدلیس کے سلسلے میں جماعت المسلمین کا موقف محض مسعود احمد صاحبؒ کا انفرادی خیال ہے۔ اس عنوان کے تحت ہم اس باطل پروپیگنڈا کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی تدلیس کے معنی یوں کرتے ہیں:

وھو اختلاط الظلام (نزھۃ النظر ص۸۲)۔

ترجمہ: اور تدلیس اندھیروں کا اختلاط ہے۔

ابن قطان کہتے ہیں:

ومعنی بہ ان یروی الحدث عمن قد سمع منہ مالم یسمع منہ من غیر ان یذکر انہ سمعہ منہ (النکت ۲/۶۱۴)

ترجمہ: تدلیس کے معنی یہ ہیں کہ راوی حدیث کو روایت کرتے وقت اپنے استاد کا نام نہ لے بلکہ اس سے اوپر کے راوی یعنی استاد کے استاد کا نام لے اور صیغہ ایسا اختیار کرے جس سے استاد سے ہی اس حدیث کے سننے کا احتمال ہو تو یہ فعل تدلیس کہلاتا ہے۔

یہ اتنی بری چیز ہے کہ جب صحابی عبادہ رضی اللہ عنہ کو حسین احمد مدنی صاحب دیوبندی نے مدلس لکھا تو زبیر علی زئی صاحب چیخ اٹھے اور لکھا:

''حالانکہ عبادہؓ مشہور بدری صحابی ہیں اور صحابہ کو مدلس قرار دینا انتہائی غلط اور باطل ہے''

(نصر الباری ص ۲۷، ۲۸)

تبصرہ: جس طرح صحابی کے لئے ان کے عدل، تقوی اور ایمانداری کی وجہ سے مدلس لفظ استعمال کرنا غلط اور باطل ہے اسی طرح ہر اس امام کے لئے یہ لفظ استعمال کرنا غلط اور باطل ہے جو کہ عادل وثقہ ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ زبیر علی زئی صاحب کے ہاں بھی تدلیس اچھی چیز نہیں اس لئے انہوں نے صحابیؓ کے لئے مدلس لفظ استعمال کرنے کو غلط اور باطل قرار دیا۔ زبیر علی زئی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''تدلیس اچھی چیز اور جائز ہے یہ ہشیم کا مسلک ہے یہ مسلک بھی مردود ہے''

(ماہنامہ الحدیث شمارہ ۳۳ ص ۵۱)

یعنی تدلیس کو جائز کہنا خود زبیر صاحب کے ہاں مردود ہے، اگر اسی چیز کو مسعود احمد صاحبؒ

نے بے حقیقت فن کہہ دیا تو کیا غلط کیا؟
زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:
''اجماع کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان بھی مخالف نہ ہو۔'' (نصر الباری ص ۲۴۹)
زبیر علی زئی صاحب کی اس تعریف کی روشنی میں تدلیس پر ائمہ اہل حدیث (محدثین) کے اجماع کا دعویٰ غلط اور جھوٹ ہے کیونکہ زبیر صاحب خود لکھتے ہیں کہ ''تدلیس کے بارے میں علماء کے متعدد مسالک ہیں۔ امام شعبہ فرماتے ہیں:
لان ازنی احب الی من ان ادلس (الجرح والتعدیل ۱/ ۱۷۳ وسندہ صحیح)
ترجمہ: میں تدلیس کا مرتکب ہونے کی نسبت زنا کاری کو ترجیح دیتا ہوں۔
اسی طرح ایک جماعت مثلاً ابو اسامہ اور جریر بن حازم وغیرہما سے تدلیس کی سخت مذمت مروی ہے (الکفایہ ص ۳۵٦) اس لئے بعض علماء کا یہ مسلک تھا کہ مدلس مجروح ہوتا ہے لہٰذا اس کی ہر روایت مردود ہے چاہے مصرح بالسماع ہی کیوں نہ ہو (جامع التحصیل ص ۹۸)''
(ماہانہ اہلحدیث شمارہ ۳۳ ص ۵۰)
لیکن دوسری طرف زبیر علی زئی صاحب خود کہتے ہیں کہ اجماع کے لئے ضروری ہے کہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان بھی مخالف نہ ہو جبکہ زبیر علی زئی صاحب کے بقول امام شعبہ، ابو اسامہ اور امام جریر بن حازم اور کئی ائمہ حدیث سے تدلیس کی سخت مذمت مروی ہے۔

لیکن ان ائمہ حدیث کی مخالفت کے باوجود زبیر علی زئی پھر بھی دعوی کرتے ہیں کہ اس بات پر ائمہ اہلِ حدیث کا اجماع ہے کہ فن تدلیس ایک حقیقت والا فن ہے۔

جبکہ تدلیس کو بے حقیقت فن کہنے میں مسعود احمد صاحبؒ اکیلے نہیں ہیں بلکہ ائمہ ومحدثینؒ کی ایک جماعت نے تدلیس کی لغویت پر ماضی میں قلم اٹھایا تھا۔

امام عبدالرزاق پر جب تدلیس کا الزام لگایا گیا تو کعبہ کے پردے سے لٹک کر کہنے لگے

یا رب مافی الکذاب انا ؟ ا مدلس انا ؟ (طبقات المدلسین ص ۴۴)

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے کیا ہو گیا؟ کیا میں کذاب ہوں؟ کیا میں مدلس ہوں؟

حسن بن علیؒ کہتے ہیں:

سمعت اباامامہ یقول خرب اللہ بیوت المدلسین ماھم عندی الاالکذابون (الکفایہ ص ۳۵۶ وسندہ صحیح)

ترجمہ: میں نے ابوامامہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ مدلسین کے گھروں کو برباد کرے میرے نزدیک وہ سارے کذاب ہیں۔

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

"التدلیس للحدیث مکروہ عند اکثر اھل العلم وقد عظم بعضھم الشان فی ذمہ وتبجح بعضھم بالبراءۃ منہ (الکفایہ ص ۳۵۵)

ترجمہ: اکثر اہل علم کے نزدیک تدلیس فی الحدیث مکروہ ہے بعض نے تو اس کی سخت مذمت

کی ہے اور بعض نے اس سے بیزاری کا اعلان کیا ہے۔

﴿زبیر علی زئی صاحب کا باطل دعویٰ﴾

زبیر علی زئی صاحب نے تدلیس کے حقیقی فن ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا جبکہ یہ ثابت ہو چکا کہ اس پر ہر دور میں ائمہ وعلماء میں اختلاف رہا ہے۔ اختلافی مسائل پر اجماع کا دعویٰ کرنے والے کی کیا حیثیت ہے آیئے زبیر علی زئی صاحب کی تحریر کے آئینہ میں دیکھتے ہیں موصوف لکھتے ہیں:

''ابنِ حزم نے صحیح سند کے ساتھ احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا کہ: **من ادعی الاجماع فهو كاذب لعل الناس اختلفوا.** (المحلیٰ: ۱۰/۴۲۲مسالۃ ۲۰۲۵) یعنی جس نے مسائلِ اختلافیہ میں اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے۔''

اب ہم زبیر علی زئی صاحب کو کیا کہیں؟

قارئین کرام! اور بھی شواہد پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن بخوف طوالت ہم انہی پر اکتفاء کرتے ہوئے اس قولِ فیصل کے تحت تدلیس کی لغویت پیش کر کے اپنے معزز قارئین سے انصاف کی درخواست کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کی کتاب ''النکت'' میں ابو مظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار المروزی کا یہ قول موجود ہے کہ:

ان كان اذا استكشف لم يخبر باسم من يروی عنه فهذا يسقط الا

حتجاج بحدیثہ لان التدلیس تزویر و ابہام لما لا حقیقتہ لہ وذلک یوثر فی صدقہ وان کان یخبر ، فلا. (النکت ۲/۶۳۲)

ترجمہ: حقیقت یہ کے جب ایسے راوی سے معلوم کیا جائے تو وہ اپنے استاد کا نام نہیں بتاتا جس سے اس نے روایت لی ہے، اور اس وجہ سے اس کی حدیث درجۂ احتجاج سے ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ تدلیس جھوٹ اور ابہام کا نام ہے جس کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔ اور اس وجہ سے یہ بات اس راوی کی سچائی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے استاد کا نام بتادے تو پھر کوئی خرابی نہیں ہے۔

بفضل اللہ مسعود احمد صاحبؒ کا یہ کہنا کہ تدلیس ایک بے حقیقت فن ہے دیگر ائمہؒ سے بھی منقول ہے اور زبیر علی زئی صاحب سمیت دیگر علماء اہل حدیث کے لئے یہ بات لمحۂ فکریہ ہونی چاہیے۔

﴿نون نعبد اور تحریف کا الزام﴾

امام بخاری لکھتے ہیں:

وکان ابو سلمة بن عبدالرحمن ومیمون بن مہران وغیرہم و سعید بن جبیر یرون القراء ۃ عند سکوت الامام الی نون نعبد لقول النبی ﷺ لا صلواۃ الا بفاتحة الکتاب فتکون قرائتہ فاذاقرء الامام انصت حتی یکون متبعا لقولہ تعالیٰ فاستمعو الہ وانصتو فیستعمل قول اللہ تعالیٰ ویتبع قول

رسول اللہ ﷺ (جزءالقراءۃ ص ۱۱)

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، میمون بن مہران وغیرھم اور سعید بن جبیر امام کے سکوت کے دوران قراءت کرنے کے قائل تھے نعبد کی نون تک اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ اس طرح سے مقتدی کی قراءت ہو جائے گی۔ پھر جب امام پڑھے گا تو مقتدی خاموش رہے گا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول قرآن کی تلاوت کے وقت غور سے سنو اور خاموش رہو کا تابع ہو جائے گا اور بیک وقت اللہ تعالیٰ کے قول کی تعمیل کرلے گا اور رسول اللہ ﷺ کے قول کی پیروی بھی کرے گا۔

صدیق رضا صاحب نے ہمارے کتابچہ "امام کے دو سکتے" کے صفحہ ۱۷ سے یہ عبارت اور اس کا ترجمہ پڑھا جہاں خط کشیدہ الفاظ ترجمہ میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس سھو کو صدیق رضا صاحب نے مسعود صاحب کی خیانت اور صریح دھوکہ قرار دے دیا اور لکھا:

"قارئین کرام! الی نون نعبد کا ترجمہ کہاں گیا؟ غور فرمائیے کیا یہ خیانت اور صریح دھوکہ نہیں؟ کہ محدثین کا موقف مسعود صاحب کے موقف کے بالکل برعکس ومختلف ہے، لیکن مسعود صاحب اور ان کی جماعت لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ محدثین کا بھی یہی موقف تھا جو مسعود صاحب کا ہے؟

محدثین سے ان کی آراء میں اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے اتفاق بھی یہ معلوم و معروف اور مسلّم بات ہے، لیکن کیا ان کی طرف ایسا نظریہ بھی منسوب کیا جا سکتا ہے جس

کے وہ قائل ہی نہ ہوں بلکہ عین مخالف ہوں؟ کیا یہ خیانت اور دھوکہ نہیں؟'' (صفحہ ۶۱)

<u>**ازالہ:**</u> اس قدر الزام تراشی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کیا ہے صدیق رضا صاحب نے کہ اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ کیا نون نعبد کا ترجمہ کر دینے سے سکتات میں مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا اور امام کی قراءت کے وقت خاموش رہنے کا مسئلہ باطل ہو جائے گا؟ حیرت ہے صدیق رضا صاحب کو امام بخاری کی اس عبارت میں اپنا مدعی ہی دکھائی دیا اور وہ یہ بھول گئے کہ امام بخاریؒ یہ فرما رہے ہیں کہ تابعین اور اتباع تابعین امام کے سکتہ میں قراء ت کرنے اور امام کی قراءت میں خاموش رہنے کے قائل تھے تا کہ آیت اور حدیث دونوں کی مخالفت نہ ہو۔ یہ تو عین وہی موقف ہے جو مسعود صاحب نے اختیار کیا ہے اور صدیق صاحب کے موقف سے بالکل متضاد ہے کیونکہ وہ تو امام کی قراءت میں ہی مقتدی کی قرات کو لازم قرار دیتے ہیں اور سکتات میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے مسئلہ کو افتراء و شریعت سازی کہتے ہیں۔ گویا قرآن مجید کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور حدیث کی بھی۔ معلوم نہیں صدیق رضا صاحب کس قسم کے اہلحدیث ہیں کہ حدیث کو بھی نہیں مانتے۔ کیا وہ صرف نام کے ہی اہلحدیث تو نہیں ہیں۔ جیسا کہ اہل قرآن جو نام سے تو قرآن کے پیروکار لگتے ہیں لیکن حقیقت میں قرآن کے ہی منکر ہوتے ہیں۔ لیکن ان کو یہ سب نظر نہیں آتا کیونکہ مخالفت میں روحانی بصارت بھی جاتی رہی ہے۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اس مکمل عبارت کے ترجمہ پر بھی غور فرمائیں تو مقصد واضح

ہوجائے گا کہ یہ جلیل القدر ائمہؒ امام کے سکوت یعنی سکتہ کی حالت میں مقتدی کے قراءت فاتحہ کے قائل تھے۔ سکتہ انتہائی مختصر ہونے کی صورت میں وہ سمجھتے تھے کہ مقتدی کم از کم سورۃ الفاتحہ کو نصف تک تو پڑھ ہی لے یعنی ایاک نعبد تک جو عین وسط الفاتحہ ہے۔ پھر جب مقتدی نے سورۃ الفاتحہ ایاک نعبد تک پڑھی ہو اور امام قراءت شروع کردے تو مقتدی خاموش ہوجائے اور قراءت کو ترک کردے اس سے یہی نکلتا ہے کہ اگر مقتدی سورۃ فاتحہ کی چوتھی آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین کے وسط تک قراءت کرسکا تھا اور امام نے قراءت شروع کردی تو مقتدی سورۃ الفاتحہ کو مکمل بھی نہ کرے بلکہ قراءت کو بغور سنے یعنی بقیہ سورۃ الفاتحہ کو امام کی قراءت کے دوران نہ پڑھے بلکہ اس کے دوسرے سکتے کا انتظار کرے۔ جیسا کہ ابو سلمہؒ سے ثابت ہے۔ چنانچہ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''ابو سلمہؒ فرماتے ہیں امام کے دو سکتے ہوتے ہیں پس ان میں سورۃ الفاتحہ کی قراءت کو غنیمت سمجھو''۔ (نصر الباری ص ۲۹۱)

حیرت ہے صدیق رضا صاحب اپنے ہی استاد کے موقف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے امام بخاری کی اس تصریح کو اپنے لئے دلیل بنارہے ہیں جبکہ وہ تو امام کی قراءت کے دوران سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ معلوم نہیں صدیق رضا صاحب کو نون نعبد کے ترجمہ نہ ہونے میں کون سی تحریف نظر آگئی جو انہوں نے اتنی سخت تنقید کرڈالی اور اخلاقیات کو بالکل فراموش کردیا۔

امام بخاری کی صراحت کے باوجود اسے مسعود صاحبؒ کی خیانت اور دھوکہ کہنا اور اسے اپنے موقفِ باطل کی تائید سمجھنا بڑی نادانی اور سراسر زیادتی کی مثال ہے۔

جہاں تک دوسرے سکتہ کے تقرر کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت گذشتہ صفحات میں پیش کی جاچکی ہے۔ یاد رہے کہ یہ اقتباسات جن پر اعتراض کئے گئے ائمہ کے اقوال ہیں نہ کہ قرآن وحدیث کے نصوصِ قطعیہ۔

اعتراض: اسی عبارت کے لفظ یرون کے ترجمہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دوسری بات یہ کہ مسعود صاحب نے اس مقام پر یــــرون کا ترجمہ کیا 'ضروری سمجھتے تھے۔''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ضروری کا معنی کہاں سے آگیا؟'' (صفحہ ۶۲)

ازالہ: صدیق رضا صاحب! اگر آپ کو سنت نبوی ﷺ پر عمل ضروری نہیں لگتا تو یہ آپ کا قصور نہیں ہے۔ یہ ذہن سازی فرقہ اہلحدیث کے تقریباً تمام ہی علماء کا وصف ہے کہ وہ سنت کو اہمیت نہیں دیتے۔ جبکہ جماعت المسلمین کے نزدیک سنت پر عمل لازم ہے اور ترک سنت گناہ ہے۔ لہٰذا ہم نے اسے ضروری سمجھا اور آپ نے غیر ضروری۔

پھر بھی ہم اس اعتراض کا جواب دے دیتے ہیں۔ یہ لفظ یــــــرون جس کا ترجمہ صلوۃ المسلمین صفحہ ۳۴۶ پر ''ضروری سمجھتے تھے'' کیا گیا تھا کچھ عرصے کے بعد کتابچہ 'امام کے دو سکتے'' میں اس کا ترجمہ ''قائل ہیں'' کے الفاظ میں کیا گیا۔ معترض صاحب کو ہمارے کتابچہ میں الی نون نعبد کا ترجمہ نہ کرنا تو نظر آ گیا لیکن یرون کا ترجمہ کیوں نظر نہیں آیا؟

یــرون کا ترجمہ مسعود صاحبؒ نے ضروری سمجھتے تھے کر دیا تو معترض نے سخت تنقید کر ڈالی لیکن ہم بتاتے ہیں ان کے اپنے ہی فرقہ کی کتاب میں یــرون کا ترجمہ اس سے بھی زیادہ مبالغہ آمیزی سے کیا گیا ہے۔ارشادالحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ شعرانیؒ نے بھی حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ سے یہی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''کانو یرون " علی الماموم القراء ة فیما یجهر فیه الامام وفیما سر

(غیث الغمام ص ۲۱۶)

ترجمہ: سلف جہری اور سری نمازوں میں مقتدی کو فاتحہ کا ''حکم دیتے تھے۔''

(توضیح الکلام ۱/۵۰۷)

تبصرہ: صدیق رضا صاحب سے اس مقام پر انصاف کی درخواست ہے کہ اگر مسعود احمد صاحبؒ نے یــرون کا ترجمہ ضروری سمجھتے تھے کر دیا تو سخت تنقید۔اب جبکہ آپ کے ہی گھر کے عالم نے اسی لفظ کا ترجمہ حکم دیتے تھے کر دیا تو کیا ان پر بھی اسی طرح کی سخت تنقید کی جائے گی؟

؎ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا۔

﴿خالد گھرجاکھی صاحب اہلحدیث کی تحریف﴾

اہلحدیث علماء کو مسعود احمدؒ کی بھول تو خیانت اور دھوکہ دہی معلوم ہوتی ہے لیکن اپنے ہی علماء کی زیادتیوں سے بصارتِ حدید کے باوجود چشم پوشی کر جاتے ہیں۔

جزءالقراءۃ کا ترجمہ گھرجاکھ، گجرانوالہ کے خالد سلفی صاحب نے بھی کیا اور اس کے صفحہ ۳۶ پر ایک اثر نقل کر کے اس کا ترجمہ کچھ یوں کر دیا۔

وقال ابن المبارک دل ان ھذافی الجھر وانما یقرا خلف الامام فیما سکت الامام

خالد گھرجاکھی صاحب کا ترجمہ:

ابن المبارک نے اس کا مطلب یوں بیان کیا کہ جہر میں خاموش رہتے اور خاموش قراءت میں پڑھتے ہونگے۔ (جزءالقراءۃ ترجمہ خالد سلفی ناشر ادارہ احیاء السنۃ گھرجاکھ ضلع گجرانوالہ، طبع چہارم جنوری ۱۹۹۷)

درست ترجمہ:

ابن المبارکؒ نے فرمایا یہ اس بات پر دلالت ہے کہ یہ قراءت جہری رکعت میں ہے اور یہ کہ مقتدی صرف اس وقت امام کے پیچھے قراءت کرے جب امام سکتہ کرے۔

قارئین کرام! خالد سلفی صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے اس کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن ہم ان علماء اہلحدیث کی طرح الزام تراشیوں اور بداخلاقی کے

بجائے سکوت اختیار کرتے ہیں اور فیصلہ آپ ہی پر چھوڑ دیتے ہیں۔

﴿غیر ضروری اور بے جا اعتراضات﴾

اپنے موقف کی تائید میں صدیق رضا صاحب نے چند ایک انتہائی غیر ضروری اعتراضات کئے ہیں۔ اپنے کتابچہ کے صفحہ ۷ اور ۸ پر ''مسعود صاحب کے سخت فتوے'' کے تحت یہ غلط تاثر دیا ہے کہ مسعود صاحب نے صحابہ کرامؓ پر خلاف قرآن عمل کرنے کا الزام لگایا ہے۔ سبحنک ھذا بھتان عظیم ۔ کاش کہ موصوف مکمل تفصیل درج کردیتے کہ مسعود صاحب کے ان الفاظ کی وضاحت مذکورہ حوالے میں ہی موجود تھی۔ لیکن موصوف نے لکھا ''سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ اسلام کے متوازی، خودساختہ، قرآن مجید کے خلاف اسلام بنانے والے کون تھے'' (الجماعۃ ، ص ۱۴)

مسعود صاحب کی تحریر فرمودہ ان باتوں سے آپ بخوبی سمجھ چکے ہونگے کہ جو لوگ امام کی جہری قراءت کے دوران ہی سورہ فاتحہ پڑھ لینے کے قائل ہیں، مسعود صاحب کے نزدیک وہ کتنے بڑے مجرم ہیں'' (ص ۸)

__ازالہ:__ یہ اقتباس ہمارے کتابچے الجماعۃ سے ماخوذ ہے۔ مکمل اقتباس پیش خدمت ہے مسعود احمد صاحبؒ لکھتے ہیں:

''ان فرقوں کا تو یہ حال ہے کہ آیت کچھ کہے حدیث کچھ کہے لیکن یہ اپنے مذہب پر اڑے رہتے ہیں۔ کیا یہ ایمان ہے؟ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

۱۔ حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ (البقرۃ۔۲۳۳)
یعنی مدت رضاعت پورے دوسال ہے لیکن مذہب میں ہے کہ ڈھائی سال ہے۔
۲۔ وثیابک فطھر (المدثر ۴) اپنے کپڑوں کو پاک رکھو لیکن فقہ میں ہے کہ کپڑے پر اگر درہم سے کم نجاست غلیظہ لگی ہوئی ہو تو نماز ہو جائے گی۔
۳۔ واذا قرئ القران فاستمعو الہ وانصتوا (الاعراف ۲۰۴) جب قرآن مجید پڑھا ئے جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو لیکن مذہب میں ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھتے رہو کیا یہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی نہیں ہے؟
۴۔ خذ وزینتکم عند کل مسجد (الاعراف ۳۱) ہر نماز کے وقت زینت کی چیزیں پہن لیا کرو لیکن ہوتا یہ ہے کہ زینت کی چیزیں اتار دی جاتی ہیں کیا یہ اسلام ہے؟
۵۔ والرجز فاھجر (المدثر ۵) گندگی سے دور رہو لیکن مذہب یہ ہے کہ اگر دو بڑے مٹکوں کے برابر پانی ہو تو اگر اس میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک رہے گا جب تک اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے۔ کیا اسلام کو ایسی طہارت مطلوب ہے؟
حدیث میں ہے کہ:
۱۔ جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو عصر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے (صحیح مسلم) ان کے ائمہ ثلاثہ بھی یہی کہتے ہیں (ہدایہ) لیکن مذہب میں ہے کہ جب سایہ دو مثل ہو جائے تو عصر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے۔ کیا مذہب حدیث سے بالاتر ہے؟

۲۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اور ائمہ عظام سے زبان کی نیت ثابت نہیں (کبیری) پھر بھی زبان سے نیت کرنا مستحسن ہے (ہدایہ) بدعت نہیں۔

اگر الجماعۃ کی یہی خصوصیات ہیں تو ایسی الجماعۃ سے اللہ کی پناہ، سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ اسلام کے متوازی، خودساختہ قرآن مجید کے خلاف اسلام بنانے والے کون لوگ تھے اور کیا اب ان متوازی خودساختہ اسلاموں کو ماننا ہی حق ہے واضح ہے کہ ائمہ دین نے یہ مذاہب بنائے اور نہ یہ فرقے بنائے۔ یہ بعد کی چیزیں ہیں جو بعد والوں نے ان کی طرف منسوب کردی ہیں۔'' (الجماعۃ ص ۱۳۔۱۴)

مندرجہ بالا اقتباس سے خود ہی واضح ہے کہ خلافِ قرآن و متوازی دین سازی کرنے کا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے شریعت مطہرہ میں اپنے فقہوں وآراء کو داخل کر کے دین کو مسخ کر دیا۔ صدیق رضا صاحب کو بھی اگر ایسا لگتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہیں تو یہ ان کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ ایسے عمل سے تائب ہو جائیں نہ کہ اصلاح کرنے والے کو طنز کا نشانہ بنائیں۔

صدیق رضا صاحب کے کتابچے کی تقریظ کے تحت سلیم اختر صاحب نے موقع غنیمت جانتے ہوئے اس طنز و تشنیع میں اپنا حصہ بھی ڈال دیا۔ لکھتے ہیں:

''انہی میں سے جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے ''امیر'' مسعود احمد بی، ایس، سی، بھی ہیں۔ جو خود بھی اس بات کے اقراری تھے کہ قرآن وحدیث کو اسلاف کے فہم سے سمجھنا چاہئے،

جیسا کہ انہوں نے لکھا: ''یہ تو صحیح ہے کہ قرآن وحدیث کو جس طرح اسلاف صحابہ کرامؓ نے سمجھا ہے ہمیں اسی طرح سمجھنا چاہیئے اور اس کو نئے معنی نہیں پہنانے چاہئیں۔ (التحقیق فی جواب التقلید ص ۳۰)

مگر عملی زندگی میں اس سے ہٹ کر اپنے فہم کو اسلام قرار دیتے ہوئے اپنے مقلدین کی ایسی ذہن سازی کی کہ انہیں اپنے نظریات وموقف سے ہٹ کر کوئی موقف اپنانے یا بیان تک کرنے کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی''۔ (ص ۲)

ازالہ: سلیم اختر صاحب نے ہماری کتاب ''التحقیق فی جواب التقلید'' سے نامکمل عبارت پیش کر کے ہماری منشاء کے خلاف قاری کی ذہن سازی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر سلیم اختر صاحب ''التحقیق فی جواب التقلید'' کی مذکورہ بالا عبارت کو آخر تک پیش کر دیتے تو ان کا مقصد فوت ہو جاتا لہذا انہوں نے صرف عبارت کا اس قدر حصہ نقل کیا جس سے مسعود احمد صاحبؒ کا موقف واضح نہ ہو سکے۔ لیکن ہم آپ کے سامنے مکمل عبارت پیش کر کے اس مغالطہ کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ مسعود احمد صاحبؒ لکھتے ہیں:

''یہ تو صحیح ہے کہ قرآن وحدیث کو جس طرح اسلاف (صحابہ کرامؓ) نے سمجھا ہے ہمیں اسی طرح سمجھنا چاہئے اور اس کو نئے معنی نہیں پہنانے چاہئے۔ لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ اسلاف میں سے کسی فرد کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا جائے اور اس کے خلاف جمہور کے فیصلہ کو نظر انداز کر دیا جائے اگر ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ اس فرد کے خلاف دوسرا کوئی نہیں تو یہ بھی تو

عین ممکن ہے کہ اس فرد کو وہ حدیث پہنچی ہی نہ ہو لہذا حدیث کی موجودگی میں اس فرد کا قول کیسے قابلِ حجت ہوسکتا ہے؟''

مندرجہ بالا اقتباس فہم قرآن وحدیث اور طرز اسلاف کے اس معاملہ پر انتہائی خوبصورت و جامع تحریر ہے۔ مقصد واضح ہے کہ قرآن وحدیث کو جس طرح سے صحابہ کرامؓ کی اکثریت نے سمجھا اسی طرح ہمیں بھی اس پر عمل کرنا چاہئے۔ لیکن اگر کسی صحابیؓ سے کوئی عمل یا قول تفرّد کے ساتھ ملے اور اس کے خلاف صحابہؓ کی اکثریت کا عمل ہو تو اس انفرادی عمل کو ترک کر دیا جائے گا۔ نیز اگر کسی صحابی کے عمل وقول کے خلاف صحابہؓ کا فیصلہ نہ ملے تب بھی تحقیق کی جائے گی کہ اس صحابیؓ کا فیصلہ حدیث سے متضاد تو نہیں ہے کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ صحابیؓ تک وہ حدیث نہ پہنچی ہو جو اس مسئلہ کا فیصلہ کن جواب ہو۔ اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ کبار صحابہؓ تک بھی بسا اوقات ایسی احادیث نہ پہنچ سکیں جو اسلامی معاشرہ میں معمول کے مطابق شامل فی العمل تھیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ کا تین سلام والی مشہور حدیث سے ناآشنا ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الاستیذان وصحیح مسلم کتاب الآداب باب الاستیذان)

﴿دعائے قنوت اور دیگر غیر متعلقہ اعتراضات کے جوابات﴾

صدیق رضا صاحب نے اگرچہ یہ کتابچہ صرف مسئلہ سکتات کے موضوع پر لکھا لیکن چند انتہائی بے حقیقت اور غیر متعلقہ اعتراضات بھی اپنی تحریر میں بکھیر دئے جن کا مختصر جواب

دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ اس تحریر اور اس کے مصنف کی مبالغہ آمیز تعریف کرتے ہوئے سلیم اختر صاحب نے تقریظ کا حق ادا کرتے ہوئے معاً اصول حدیث سے اپنی لاعلمی کا ثبوت دیتے ہوئے چند اعتراضات پیش کر دیے۔ ان میں سے پہلا اعتراض دُعائے قنوت کے حوالے سے ہے۔ یہ اعتراض زبیر علی زئی صاحب نے نماز نبوی دار السلام کے مقدمہ تحقیق میں بھی کیا تھا جس کا جواب انہیں مجلۃ المسلمین کی اشاعت مارچ واپریل ۲۰۰۳ء میں دے دیا گیا تھا۔ لیکن سلیم اختر صاحب نے اس اعتراض کو دہرا دیا۔ ذیل میں ان کے اعتراضات کے جوابات پیش ہیں اور فیصلہ قارئین پر۔

اعتراض ا: سلیم اختر صاحب ص ۲ پر لکھتے ہیں ''صلوۃ المسلمین ص ۳۰۷'' پر دُعا قنوت **اللھم انا نستعینک**.... الخ مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے نقل کر کے لکھا: ''سندہ صحیح'' حالانکہ اسکی سند میں ''عمرو بن عبید'' راوی ہے جو کہ نا صرف معتزلی تھا بلکہ اسکی طرف داعی بھی تھا۔ ائمہ محدثین نے اس پر سخت جرح کی ہے، اور یہ ''متروک الحدیث'' تھا۔ دیکھیں [تقریب التہذیب ۲/۱۰۰ (۵۰۷۱)]

ازالہ: یہ بات صحیح ہے کہ عمرو بن عبید دھریہ، متروک الحدیث اور کذاب تھا۔ لیکن سلیم اختر صاحب علم حدیث سے شاید نابلد ہیں۔ محدثین کے نزدیک صحیح حدیث کی ایک قسم صحیح لغیرہ بھی ہے۔ یعنی ایک حدیث اپنی سند کے لحاظ سے تو صحیح نہیں لیکن متابعات وشواہد کی وجہ سے صحیح ہوتی ہیں۔ مثلاً صحیح مسلم کی حدیث **"ان رجلا قال واللہ لا یغفر اللہ لفلان"**

(صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب) اپنی سند کے لحاظ سے ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی سوید بن سعید جو امام مسلم کے استاد ہیں ضعیف ہیں۔ امام بخاری نے ان کو بہت ضعیف کہا ہے۔ امام احمد نے متروک الحدیث اور امام ابن معین نے کذاب کہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود امام مسلم نے اس روایت کو صحیح مسلم میں نقل کیا۔ کیونکہ اس کے شواہد اور متابعات موجود ہیں۔ کیا آپ اس روایت کو سوید بن سعید کی بناء پر ضعیف کہینگے؟ ہرگز نہیں۔ بالکل اسی طرح دعائے قنوت جو مسعود احمد صاحبؒ نے نقل کی اسے امام عبدالرزاق نے کم وبیش الفاظ کے ساتھ چار مختلف اسناد (یہ اسناد آگے پیش کی جائیں گی) سے روایت کیا ہے۔ لہذا اس روایت میں عمرو بن عبید منفرد نہیں، دوسری بات ابورافع کی روایت نقل کرنے کے بعد امام عبدالرزاق لکھتے ہیں "**ولو کنت امام قلت هذا القول ثم قلت اللهم اهدنا فیمن هدیت**" (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۱۶) یعنی اگر میں امام ہوں تو میں پہلے یہ دعاء پڑھوں پھر اس کے بعد **اللهم اهدنا فیمن هدیت** پڑھوں۔ امام عبدالرزاق کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے اس لئے تو انہوں نے کہا کہ اگر میں امام ہوں تو پہلے یہ دعاء پڑھوں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمرو بن عبید (کذاب) کی روایت کو امام عبدالرزاق نے کیوں صحیح سمجھا؟ اس لئے کہ امام عبدالرزاق کے پاس اس روایت کے مزید تین شواہد اور متابعات موجود تھیں اور ان کو معلوم تھا کہ اس میں عمرو بن عبید (کذاب) منفرد نہیں ہے۔

﴿عمرو بن عبید کی روایت پر فیصلہ کن جواب﴾

اس کا ایک الزامی جواب یہ بھی ہے کہ آپ کو عمرو بن عبید کی روایت پر بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ عمرو بن عبید سے امام بخاریؒ نے کتاب الفتن میں ایک روایت نقل کی ہے۔

اب قارئین سوچ رہے ہوں گے کہ امام بخاریؒ، امام عبدالرزاقؒ اور مسعود احمد صاحبؒ نے ایک کذاب راوی سے آخر کیوں روایت لی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری امامؒ، عبدالرزاقؒ اور مسعود احمد صاحبؒ نے متابعات اور شواہد کی بنیاد پر عمرو بن عبید (کذاب) کی روایت کو صحیح کہا اور نقل کیا۔

۱۔ امام بخاری کی روایت جس میں عمرو بن عبید راوی ہے۔

یہ روایت صحیح بخاری کتاب الفتن باب اذا التقیٰ المسلمان بسیفیهما حدیث نمبر ۷۰۸۳ ہے۔ جس کی سند یہ ہے۔

''حدثنا عبداللہ بن عبدالوهاب حدثنا حماد عن رجل لم یسمه عن الحسن''

اس سند میں عن رجل لم یسمه سے مراد عمرو بن عبید (کذاب) امام حسن بصری کا شاگرد ہے۔ (دیکھیے فتح الباری ۱۴/ ۵۲۷، ۵۲۸)

اس سند کے علاوہ یہی روایت صحیح بخاری میں بھی دوسری اسناد کے ساتھ مختلف مقامات پر موجود ہے جن میں عمرو بن عبید نہیں ہے۔ الغرض یہ روایت ہر لحاظ سے صحیح ہے اگرچہ اس کی

ایک سند میں عمرو بن عبید (کذاب) راوی ہے۔

یہ وضاحت سید سلیمان صاحب کے مضمون "صلوٰۃ المسلمین کی مدلل احادیث پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا جواب" (مجلۃ المسلمین مارچ، اپریل ۲۰۰۲ء) میں بھی کی گئی تھی۔ جس پر زبیر علی زئی صاحب نے رسالہ الحدیث کے کسی شمارے میں لکھا تھا:

"حافظ المزی نے بغیر کسی جزم کے "فقیل" کے صیغہ تمریض سے لکھا ہے کہ یہ 'عمرو بن عبید ہے جبکہ مغلطائی کا خیال ہے کہ یہ ہشام بن حسان ہے"۔ (الحدیث ص ۱۲)۔

ازالہ: اس کا جواب بجائے اس کے کہ ہم دیں ہم حافظ ابن حجرؒ کی عبارت نقل کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

هو عمرو بن عبيد شيخ المعتزلة و كان سيّء الضبط هكذا جزم المزى فى التهذيب بانه المبهم فى هذا الموضع و جوز غيره مغلطائى ان يكون هو هشام بن حسان و فيه بعد (فتح الباری ۱۴/ ۵۲۸،۵۲۷)

ترجمہ: یہ عمرو بن عبید ہے جو معتزلہ کا شیخ ہے۔ وہ ضبط (حدیث) میں بہت خراب تھا۔ مزی نے یہ بات "تہذیب" میں جزم کے ساتھ بیان کی ہے کہ اس مقام پر جو مبہم راوی ہے وہ وہی (یعنی عمرو بن عبید) ہے اور مغلطائی وغیرہ نے جائز ٹھہرایا ہے کہ وہ ہشام بن حسان ہو لیکن اس بات میں بُعد ہے۔ (یعنی یہ بات صحیح نہیں لگتی)۔

اب اس تضاد بیانی کا کیا کیا جائے کہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ حافظ مزی نے

''جزم کے ساتھ لکھا ہے'' کہ روایتِ بخاری میں مبہم شخص عمرو بن عبید ہے جبکہ علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ انہوں نے ''بغیر کسی جزم کے فقیل کے صیغہ تمریض سے لکھا ہے۔''

دوم یہ کہ حافظ ابن حجرؒ کے مطابق یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ شخص ہشام بن حسان ہو لیکن علی زئی صاحب مصر ہیں کہ وہ ہشام بن حسان ہی ہے اور عینی کی تحقیق کو حافظ ابنِ حجرؒ کی تحقیق پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان هذا الا اختلاق ٥

دعائے قنوت **اللھم انا نستعینک** کی روایت جو امام عبدالرزاق نے مصنف عبدالرزاق ج ٣ ص ١١٢ پر نقل کی ہے اس کی سند یہ ہے۔

عن معمر عن عمرو عن الحسن (عمرو سے مراد عمرو بن عبید ہے دیکھئے مصنف عبدالرزاق)

امام عبدالرزاق نے اس کے مزید تین شواہد نقل کیئے ہیں جن میں عمرو بن عبید (کذاب) راوی نہیں ہے۔

١. **عن معمر عن علی بن زید عن ابی رافع .**

٢. **عن ابن جریج قال اخبرنی عطاء انه سمع عبید بن عمیر یاثر عن عمر.**

٣. **عن الثوری عن جعفر بن برقان عن میمون بن مهران عن ابی بن کعب**

لہٰذا اس روایت کو نقل کرنے میں عمرو بن عبید (کذاب) منفرد نہیں اور شواہد کی بنیاد پر یہ حدیث صحیح ہے۔

ابنِ جریج کی دعائے قنوت والی روایت کے متعلق علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''اور عمل بھی صرف (سیدنا) عمرؓ کا ہے تمام صحابہ کا عمل مذکو نہیں'' (الحدیث۔ص ۱۲)۔

ازالہ: اگر حضرت عمرؓ کا عمل بھی ہے تو کیا حضرت عمرؓ خلیفہ راشد نہیں تھے؟

کیا رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں کہ **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیّین؟** (ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان وسندہ صحیح)

زعلی زئی صاحب لکھتے ہیں ''صحیح بخاری کے راوی کو جھوٹا قرار دینا سید سلیمان جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔'' اس سلسلے میں عرض ہے کہ سید سلیمان صاحب نے کسی راوی کو جھوٹا نہیں کہا۔ انہوں نے تہذیب التہذیب سے ائمہ حدیث مثلاً امام یحییٰ بن معینؒ، نصر بن سلمہ مروزیؒ اور سیف بن محمد کے اقوال نقل کئے ہیں۔ کیا علی زئی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ تہذیب التہذیب میں یہ اقوال نہیں؟۔ اگر نہیں کہہ سکتے تو سلیمان صاحب کو کیوں الزام دیتے ہیں۔ سلیمان صاحب تو صرف ناقل ہیں۔ البتہ جناب علی زئی صاحب نے ضرور صحیحین کے راویوں کو ضعیف اور مجروح لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''دلائلِ قطعیہ اور راجح دلائل سے ثابت ہے کہ صحیحین میں متابعات وشواہد میں ضعیف ومجروح راوی بھی موجود ہیں مثلاً عمر بن حمزہ (مسلم) یزید بن ابی زیاد (مسلم) اور ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع (البخاری: ۳۲۹۹ متابعۃ) وغیرہ ضعیف راوی ہیں لیکن صحیحین میں ان کی روایات متابعات، شواہد اور امت کے تلقی بالقبول کی وجہ سے صحیح وحسن ہیں۔

والحمدللہ'' (صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ ص ٢٦ تالیف حافظ زبیر علی زئی۔ ناشر مکتبہ اسلامیہ۔ اردو بازار۔ لاہور)

لہٰذا امام بخاریؒ، امام عبدالرزاقؒ اور مسعود احمد صاحبؒ کا عمرو بن عبید (کذاب) کی روایت کو نقل کرنا اور صحیح کہنا شواہد اور متابعات کی بنیاد پر ہے اور علمِ حدیث کو سمجھنے والوں کے لئے یہ کوئی نئی اور انہونی بات نہیں ہے۔ اس کے علاوہ **اللھم انا نستعینک** کے مزید شواہد کے لئے دیکھیں۔ (بیہقی ٢/ ٢١٠ عن خالد بن ابی عمران، عن عمر بن الخطابؓ، ابن ابی شیبہ ٢/ ٢١٣)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنے کی روایت کو سید مسعود احمد صاحبؒ نے صحیح لکھا ہے (صلوٰۃ المسلمین۔ ص ٢٧٥)۔ اس پر علی زئی صاحب کو اعتراض ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو امام بخاریؒ نے جزء رفع الیدین میں روایت کرنے کے فوراً بعد لکھا ہے:

وھذہ الاحادیث کلھا صحیحۃ عن رسول اللہ ﷺ واصحابہ۔

(جزء رفع الیدین ص ١٨٧)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب سے مروی یہ احادیث سب کی سب صحیح ہیں۔

کیا کسی روایت کی صحت کے لئے اس سے بڑی کوئی اور گواہی ہوسکتی ہے؟
امیر المومنین فی الحدیث سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقام سے حدیث اور علمِ حدیث سے ادنیٰ شغف رکھنے والا بھی واقف ہوتا ہے۔ لیکن افسوس علامہ علی زئی صاحب جناب سید مسعود احمد صاحبؒ کی دشمنی میں اتنا بڑھ گئے کہ امام بخاریؒ کی تصحیح کو اور امام بخاریؒ کی اتھارٹی کو بھی ماننے سے انکاری ہیں۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون.**
الغرض سلیم اختر صاحب کا یہ اعتراض جو دراصل زبیر علی زئی صاحب کی ایجاد ہے علمِ حدیث سے ناواقفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے اور صدیق رضا صاحب بھی اس عدمِ تحقیق کے کارنامے میں پیش پیش رہے۔
اس کے علاوہ المثنی بن الصباح اور ابن لہیعہ پر بھی سلیم اختر صاحب نے اعتراضات کو دہرایا جس کا تفصیلی جواب گذشتہ صفحات میں گذر چکا۔
اعتراض: طرفہ تماشہ تو یہ کہ "**صلوۃ المسلمین**" میں عبداللہ لہیعہ کی حدیث کو مقبول قرار دیا مگر پمفلٹ سجدوں رفع الیدین ثابت ہیں "میں ابن لہیعہ" کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھا خلاصہ: الغرض میمون کے مجہول ہونے، ابن لہیعہ کے ضعیف ہونے اور متن کے لغو ہونے کی وجہ سے یہ روایت باطل اور لائق احتجاج نہیں۔" (ص ۳)
ازالہ: صلوۃ المسلمین میں عبداللہ بن لہیعہ کی حدیث کو مقبول قرار دینے کی تفصیلی وضاحت تو آپ پڑھ چکے ہیں۔ مسعود احمد صاحبؒ ابن لہیعہ کو اس وقت ضعیف تسلیم کرتے ہیں

جب اس راوی کا روایت کردہ متن صحیح حدیث کے متن کے خلاف ہو۔ کیوں کہ سجدوں میں رفع الیدین کرنے کا متن صحیح بخاری وصحیح مسلم کے متن کے خلاف ہے اور ابن لہیعہ اس کو روایت کرتے ہیں لہذا مسعود احمد صاحب نے اس راوی کو اس شکل میں ضعیف تسلیم کیا اور موافقت میں کوئی مضائقہ نہیں۔ نیز آپ پڑھ چکے ہیں کہ مسعود احمد صاحبؒ نے صرف ابن لہیعہ کی وجہ سے نہیں بلکہ میمون کے مجہول ہونے اور متن کے لغو ہونے کی وجہ سے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ خود سلیم اختر صاحب کے ہم مذہب زبیر علی زئی صاحب نماز نبوی ص ۱۵۱ پر لکھتے ہیں "آپ ﷺ سجدے سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے۔" (صحیح بخاری ۷۳۸۔ مسلم ۳۹۰)

﴿ابن لہیعہ البانی صاحب کی تحقیقات کے آئینہ میں﴾

البانی صاحب حدیث "**اذا خرج ثلاثة فی سفر فلیئو مروا احدهم**" (صحیح ابی داؤد ۲/۴۹۳) کے بارے میں اپنی کتاب (الاحادیث الصحیحہ ۳/۳۱۴) میں لکھتے ہیں:

"**وله شاهد من حديث ابن لهيعه ......عن عبدالله بن عمر**

یعنی البانی صاحب ابن لہیعہ کو بطور شاہد پیش کر رہے ہیں اور اسی استشہاد کے بل بوتے پر حدیث کو حسن تسلیم کر رہے ہیں۔

لہذا سلیم اختر صاحب کے تمام اعتراضات لاعلمی اور عدم تحقیق کا نتیجہ ہیں۔

اگر یہی بات مسعود صاحبؒ نے تحریر فرما دی کہ اگر چہ راوی ضعیف ہو پھر بھی شواہد کی بنیاد

پر اس کی حدیث کو قابل احتجاج مانا جائے گا۔ البانی صاحب لکھیں تو خوب تحقیق اور مسعود صاحبؒ لکھیں تو یہی نام نہاد اہل حدیث چیخ اٹھتے ہیں اور الزامات کی بوچھاڑ دیکھنے کو ملتی ہے۔ هذا شيء عجيب!!!

﴿امام بخاری کے قول سے غلط استدلال﴾

فاضل مصنف لکھتے ہیں:

خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں: **وقيل انه يكبر اذا جاء الى الامام وهو يقرأ ولا يلتفت الى قرأة الامام لانه فرض فكذلك فرض القرأة لا يتبع بحال الامام**

اور کہا گیا کہ وہ مقتدی جب جماعت میں شامل ہونے کے لئے امام کی طرف آئے جبکہ امام قراءت کررہا ہو تو وہ اللہ اکبر کہے اور امام کی قراءت کی طرف توجہ نہ دے چونکہ تکبیر فرض ہے۔ تو اسی طرح قراءت (فاتحہ) بھی فرض ہے اس میں بھی وہ امام کے حال کے تابع نہیں ہوگا۔ اسی طرح کے اور کئی اقوال پیش کئے جاسکتے ہیں پر طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے مسعود صاحب کے اس بے دلیل دعویٰ کہ "تمام محدثین اسی کے قائل تھے" کے ابطال کے لئے یہی چند اقوال کافی ہیں۔ "(ص ۶۳)

ازالہ: یہ درست ہے کہ چاہے امام قراءت کررہا ہو تب بھی نماز میں شامل ہونے والا تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہی نماز میں شامل ہوگا۔ دراصل یہ الزامی جواب امام بخاریؒ نے ان

کوفیین واحناف کو دیا ہے جو نماز میں قراءت خلف الامام کے مخالف ہیں کہ اگر تم جہر میں تکبیر تحریمہ پڑھنے کو جائز کہتے ہو تو پھر سورۃ الفاتحہ پڑھنا کس طرح سے ناجائز ہوگا۔اس قول سے ہماری بات مزید مضبوط ہوتی ہے کہ امام بخاریؒ نے **جزء القرأۃ** ایسے ہی کوفی معترضین کے رد میں لکھی تھی اور جو اقوال انہوں نے پیش کیے تھے وہ ان عناصر کو خاموش کرنے کیلئے تھے جو نہ امام کی قراءت کے دوران فاتحہ پڑھتے ہیں اور نہ ہی سکتات میں اور نہ ہی سری نمازوں میں ۔قرآن مجید کی تلاوت کے وقت خاموش رہنا اور غور سے سننا حکم ربی ہے اور باجماعت نماز میں شامل ہونا بھی **وارکعوا مع الراکعین** (البقرۃ۔٤٣) کے مطابق حکم ربی ہے۔نماز میں شامل ہونے کے لئے تکبیر تحریمہ شرط ہے کیونکہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مفتاح الصلوۃ الطهور و تحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم

(ابوداؤد کتاب الطہارۃ وسندہ حسن،ترمذی،ورواہ الحاکم وصححہ ووافقہ الذھبی ۔حسنہ الالبانی ارواءالغلیل ح٣٠١،صحیح ابی داؤد ح٦١)

ترجمہ: وضوء نماز کی کنجی ہے اور اس کی تحریم (ابتداء) تکبیر ہے اور اس کی تحلیل (انتہاء) سلام ہے۔

یعنی نماز میں شامل ہونے کے لئے تکبیر تحریمہ کہنا لازمی ہے اور اس کا کوئی دوسرا طریقہ کار نہیں ہے۔جبکہ سورۃ الفاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے کے لئے سنت نبوی ﷺ میں سکتہ دینا

ثابت شدہ ہے اور امام کی قراءت کے دوران سورۃ الفاتحہ پڑھنا خلاف قرآن اور خلاف حدیث ہے۔

ان اقوال کو دلیل بنالینا خود امام بخاری کی نگاہ میں بصورت اضطرار ہی ممکن تھا کہ اگر امام سکتہ نہ کرے تو بہر حال مقتدی پھر بھی سورۃ الفاتحہ لازماً پڑھے گا۔ یہ پسندیدہ صورت نہیں ہے محض ایک مجبوری ہے اور ایسا امام سنت کے ترک کی وجہ سے ماخوذ ہوگا اور اللہ کے ہاں جواب دہ ہوگا۔ جیسا کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

فاذا قرء الامام انصت حتی یکون متبعا لقوله تعالیٰ فاستمعو له وانصتوا فیستعمل قول الله تعالیٰ ویتبع قول رسول الله ﷺ (جزء القراۃ ص ۱۱)

ترجمہ: اس طرح (یعنی امام کے سکتہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے سے) مقتدی اللہ تعالیٰ کے فرمان ''جب قرآن مجید پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو'' کا بھی متبع ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث (بغیر سورۃ الفاتحہ کے نماز نہیں ہوتی) کا بھی متبع ہوگا۔

ثابت ہوا کہ صدیق رضا صاحب کی یہ عبارت کہ ''مسعود صاحب کے اس بے دلیل دعویٰ کہ 'تمام محدثین اسی کے قائل تھے'' کے ابطال کے لئے یہی چند اقوال کافی ہیں' ' محض ایک بے بنیاد اتہام ہے جس کی حقیقت امام بخاری کے مندرجہ بالا قول سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ صدیق رضا صاحب سکتات کے مسنون طریقہ کی خلاف ورزی کرنے کے ساتھ کتاب اللہ کی مخالفت اور پھر امام بخاریؒ کی کتاب سے اس ترکِ سنت کے دفاع میں

دلائل پیش کرتے ہیں۔ **مالکم کیف تحکمون ؟**

مسعود احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''الغرض اس طرح پڑھنے سے نہ قرآن مجید کی آیت (**فاستمعو الہ وانصتوا**) اور حدیث (**اذا قرء فانصتوا**) کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور نہ حدیث (**لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب**) کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ سب پر بہ یک وقت عمل ہوتا ہے۔

امام بیہقی کے مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد اور امام بخاری کے نزدیک سکتتین کی حدیث ثابت ہے جب ہی تو وہ اس حدیث پر عمل کرنے کی تاکید کررہے ہیں اور قرآن مجید اور حدیث کی مخالفت سے روک رہے ہیں۔

یہ تطبیق کی کتنی اچھی صورت ہے۔ افسوس کہ مقتدی کے لئے سورۃ الفاتحہ کی قراءت کو واجب قرار دینے والوں اور سورۃ الفاتحہ کی قراءت سے روکنے والوں نے باوجود امام بخاری وغیرہ کی صراحت کے اس تطبیق کو اختیار نہیں کیا اور آج تک اختلاف کررہے ہیں۔ ایک جماعت قرآن مجید کی خلاف ورزی کررہی ہے اور ایک جماعت حدیث کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔ حالانکہ مذکورہ بالا تطبیق کی صورت میں قرآن مجید اور حدیث شریف دونوں پر بہ یک وقت عمل ہوسکتا ہے۔ ایک کو چھوڑنا اور ایک پر عمل کرنا یہ بھی کوئی اسلام ہے؟''

(امام کے دو سکتے ص ۱۵)

''اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ان سکتات کا مقصد سانس لینا تھا تو اس کا قیاس یا اس کی رائے

حدیث کی روشنی میں لغو اور لایعنی ہے بلکہ قطعاً باطل ہے۔''

(امام کے دو سکتے ص ۲۶)

﴿خلاصہ تفہیم الکلام﴾

کتاب کے اختتام پر ان تمام دلائل کو مختصراً دوبارہ نقل کیا جاتا ہے جن سے قراءت خلف الامام پر جماعت المسلمین کے موقف کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

۱۔ چاہے رکعت جہری ہو یا سری مقتدی ہر حال میں سورۃ الفاتحہ پڑھے گا ورنہ اس کی نماز نہ ہوگی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۔ جہری نماز کی پہلی رکعت میں امام دو سکتے کرے۔ پہلا سکتہ نماز کے شروع میں اور دوسرا مکمل قراءت کے بعد رکوع سے پہلے۔ پہلی رکعت میں دو ہی سکتے ہیں۔ تین یا سات نہیں ہیں۔ (حدیث سمرہ بن جندب بحوالہ ابوداؤد وسندہ صحیح)

۳۔ ان دو سکتوں میں مقتدی صرف سورۃ الفاتحہ پڑھے اس کے علاوہ کوئی اور سورۃ یا آیت ہرگز نہ پڑھے۔ (حدیث عبادہ بن صامتؓ ابوداؤد، دارقطنی وغیرہ وسندہ حسن)

۴۔ امام کی قراءت سے پہلے مقتدی سورۃ الفاتحہ پڑھ لے۔
(حدیث عبداللہ بن عمروؓ کتاب القراءۃ، وعن سعید بن جبیرؒ جزءالقراءۃ)

۵۔ امام کی قراءت کے دوران مقتدی مکمل خاموشی اختیار کریں اور تلاوت کو بغور سنیں۔
(سورۃ الاعراف آیت ۲۰۴، حدیث عبداللہ بن عمروؓ کتاب القراءۃ)

۶۔ جب امام قراءت سے فارغ ہو کر دوسرا سکتہ کرے تو مقتدی اس میں سورۃ الفاتحہ پڑھ لیں۔ (حدیث عبداللہ بن عمروؓ کتاب القراءۃ)

۷۔ دوسری رکعت کے شروع میں سکتہ نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

آخر میں امام بیہقیؒ کی شہادت پیش کر کے ہم فیصلہ اپنے معزز قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں۔

﴿امام بیہقی اور سکتتین کی حدیث﴾

امام بیہقی فرماتے ہیں:

حدیث السکتتین اثبت من کل حدیث یحتج به من یقول بترک القراءۃ خلف الامام فی جمیع الصلوات عند اهل المعرفة بالحدیث وذهب الی هذا المذهب فی الجمع بین الانصات عند قراءۃ الامام وقراءۃ الفاتحه عند سکوت الامام من سمینا هم فی الجزء قبله من الصحابة والتابعین ومن بعدهم (کتاب القراءۃ خلف الامام للامام البیہقی ص ۸۵)

ترجمہ: علم حدیث میں معرفت رکھنے والوں کے نزدیک دو سکتوں کی حدیث ہر اس حدیث سے زیادہ ثابت ہے جس سے وہ لوگ حجت لیتے ہیں جو تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کے قائل ہیں اور یہی عمل ہے صحابہؓ، تابعینؒ اور ان کے بعد کے علماء کا جن کا ذکر اس جزء میں ہم پہلے کر چکے ہیں اور جو امام کی قراءت کے وقت سکوت اور امام کے سکوت کے وقت سورۂ فاتحہ کی قراءت (کے احکام) میں (تطبیق دے کر دونوں کو) جمع

کرنے کے قائل ہیں۔

﴿اختتام الکلام﴾

قارئین کرام! صدیق رضا صاحب نے جماعت المسلمین کے موقفِ قراءت خلف الامام پر جو معلول اعتراضات کیے تھے، الحمدللہ ان کے مدلل جوابات دے دیئے گئے۔ انہوں نے ہم سے مطالبہ کیا تھا کہ مسعود احمد صاحبؒ کا بیان کردہ مسئلہ سکتات کسی بھی صحیح یا حسن، مرفوع یا موقوف صحابیؓ سے ثابت کردیں۔ (ص ۱۴) ہم سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ مطالبہ انشاء اللہ پورا کردیا گیا ہے۔ ہمارے معزز قارئین بھی اس بات کے گواہ ہوں گے انشاءاللہ۔ ساتھ ہی ہماری تحریر اس بات کے واضح براہین سے مزین رہی کہ دیگر ائمہؒ و محدثینؒ کے ساتھ علماء سلف وخلف بھی مسعود احمد صاحبؒ کی طرح امام کے سکتات میں مقتدی کی قراءت فاتحہ کے قائل تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دیگر فرقہ پرست علماء خصوصاً نامور علماء اہلحدیث کے قلم سے بھی یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ سکتات میں سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا سب کے نزدیک بہترین واحوط صورت ہے۔ یہ بھی ثابت ہو چکا کہ امام کے ساتھ ساتھ سورۃ الفاتحہ پڑھنا خلاف قرآن، خلاف حدیث اور خلاف صحابہؓ ہے۔ امید ہے کہ اس قدر تفصیل کے بعد صدیق رضا صاحب اور دیگر معترضین مسئلہ سکتات پر جماعت المسلمین کی مخالفت سے گریز کریں گے ورنہ بصورت دیگر ان کے لئے آخرت میں مخالفتِ حق اور عداوتِ مسلمین باعث شرمندگی ثابت ہوگی۔

الحمدللہ **تفہیم الکلام فی کیفیۃ القراءۃ خلف الامام** کا اختتام ہوا۔ اللہ ربّ العزت اس کوشش کو شرف قبولیت بخشے اور وہ تمام رفقاء واحباب جنہوں نے اس کتاب کی تالیف میں علمی و تحقیقی لحاظ سے مدد فرمائی ان تمام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہماری کوتاہیاں اور لغزشیں اللہ کی مغفرت ورحمت سے معاف ہو جائیں اور ہمیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ ہم مسلم ہوں۔ آمین۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

والحمد للہ رب العالمین

شاہد علی

یکم شعبان ۱۴۳۲ھ

۴ جولائی ۲۰۱۱ء